ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور
۱۳ر اکتوبر ۱۹۹۳ء

☆ امتناع سود پہلے کی نسبت اب سوگنا مشکل ہے
☆ امریکہ کی خوشنودی حاصل کرنے میں کون کامیاب ہوگا؟
☆ محض دعوت و تبلیغ نے دین کو کبھی غالب نہیں کیا!

حدیث امروز

... اور پردہ اٹھ گیا

لڑکیاں پڑھ رہی ہیں انگریزی　　ڈھونڈلی قوم نے فلاح کی راہ
یہ تماشا دکھائے گا کیا سین　　پردہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ

لڑکیوں نے انگریزی پڑھی تو اس لئے کہ معاشرے کے اشرافیہ نے مغربی تہذیب اختیار کرلی جس کا جادو اب سر چڑھ کر بول رہا ہے۔ ان کے ہاں عصمت و عفت اب قدامت پسندی کی نشانیاں ہیں جن کا نام لیتے بھی ان کی خواتین عالی مقام کو گھن آتی ہے اور جن حرکتوں کا ذکر عوام کے لئے اخبارات میں عصمت دری ' زنا اور "گینگ ریپ" جیسی گھناؤنی اصطلاحات کے حوالے سے کیا جاتا ہے ' وہ ان کے یہاں تفریح یعنی "فن" یا مہم جوئی یعنی "ایڈونچر" اور محفل نیم شب یعنی "مڈنائٹ پارٹی" کہلاتی ہیں۔ ان کا پرچہ پولیس میں کبھی کٹا نہ خبروں کو جنم دیتا ہے۔ اسی طبقہ کے مرد و زن ہمارے معاشرے میں ستر و حجاب کی اسلامی قدروں کی دھجیاں بکھیر کر رقص ابلیس سے سماں باندھتے ہیں ' اخبارات و جرائد ' ریڈیو ٹیلی ویژن اور ڈراموں فلموں میں عوام کی "دلچسپی" کا سامان فراہم کررہے ہیں۔ گلیوں ' محلوں میں ' سڑکوں پر ان سے رنگ و بو کی رم جھم پھوار بکھیرتی ہے جو متوسط طبقے اور غریب غرباء کے دل و دماغ میں سلگتے جذبات پر تیل چھڑک رہی ہے۔ آخر دل تو ان کا بھی دھڑکتا ہے ' دماغ ان کا بھی پھر جاتا ہے۔ نسوانی حسن کی یہ ہیجان انگیز نمائش اور صلائے عام انہیں آسودگی نہیں دیتی ' نہ بجھنے والی پیاس دے جاتی ہے اور پھر وہ حادثات رونما ہوتے ہیں جن کی سرخیوں سے اخبارات و جرائد اپنے صفحات کو سجارہے ہیں ' پاسبانی کے اجارہ دار سڑکوں پر نکل آئے ہیں اور پولیس کی جان پر بن گئی ہے۔

پردہ اب اٹھ گیا ہے ' چادر و چار دیواری کا تقدس قصہ ماضی ہوگیا ہے ' شرم و حیا نے منہ ڈھانپ لیا اور بے شرمی و بے حیائی نے رخ سے نقاب الٹ دیا۔ اب اس "سین" کے سامنے آنکھوں پر ہاتھ تو رکھے جاسکتے ہیں ' منظر کو محو نہیں کیا جاسکتا۔ ثنا خوان تقدیس مشرق کہاں ہیں اور کہاں تھے جب ان کے چاروں طرف اس تماشے کے سامان کئے جارہے تھے۔ وہی بہن ' بہو ' بیٹی اب جو شمع بزم ہے ' پہلے چراغ خانہ تھی ' اسے گھروں سے نکال کر محفلوں کی زینت بنانے والے اس جنسی انارکی کے ذمہ دار ہیں جو آج ہر شہر قصبے بلکہ گاؤں تک میں ننگی ناچ رہی ہے۔ کہیں اس نے بہو بیٹیوں کو محرموں کے تحفظ کی ضرورت سے بے نیاز کردیا ہے اور کہیں گرم خون نوجوانوں کے سفلی جذبات میں آگ لگادی ہے۔ اے سیلاب زدہ قوم! ہشیار کہ ایک اور سیل بلا کا گھیرا تیرے گرد تنگ ہوتا جارہا ہے جس کا منہ موڑنے میں مظاہروں کی شدت کام نہ آئے گی۔ اب بھی وقت ہے کہ اسی آئین پیغمبرؐ کی طرف لوٹ جا جو بقول اقبالؔ ' حافظ ناموس زن ہے اور مرد آزماء مرد آفریں ہے ورنہ کیا حال یہ ہو نہیں گیا ہے کہ۔

یہ کوئی دن کی بات ہے اے مرد ہوشمند!　　غیرت نہ تجھ میں ہوگی نہ زن اوٹ چاہے گی

تو پھر "دمادم مست قلندر" نہ ہو تو اور کیا ہوگا؟۔ کیا آگے آگے اس سے بھی زیادہ سفاک خبریں پڑھنے کو نہ ملیں گی جو آج کل ہر صاحب اولاد کو ہلا کر رکھ دیتی ہیں؟۔ اے ہوش مندو! اپنے گھروں کی خبر لو ' اپنے معاشرے کی چوکسی کے لئے کمر کس لو۔○○

حلقہ گوجرانوالہ کے دو جلسوں اور پتوکی کے جلسے کی روداد

وقائع نگار

جاکے چیمہ اور بھوپالوالہ تحصیل ڈسکہ کے دو قصبات ہیں۔ قبل ازیں بھی یہاں پر ندائے خلافت بلند کی گئی تھی اور دونوں مقامات سے اچھی خاصی تعداد میں پڑھے لکھے اور فعال نوجوانوں نے اپنے آپ کو تحریک کی معاونت کے لئے پیش کیا تھا۔ ماہ ربیع الاول میں خاص طور پر یہاں جلسے بعنوان "حب رسول اور اسکے تقاضے" رکھے گئے۔

پہلا جلسہ ۱۶ر ستمبر کو جاکے میں رکھا گیا جس کا انتظام مقامی تحریک کے ساتھیوں نے کیا۔ جلسہ سے مرزا ندیم بیگ معاون نائب ناظم حلقہ گوجرانوالہ ڈویژن نے خطاب کیا۔ انہوں نے کہا کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا واقعی اور عملی تقاضا یہ ہے کہ ہم ان کے لائے ہوئے نظام خلافت کو سب سے پہلے پاکستان اور پھر پوری دنیا میں غالب کرنے کی جدوجہد کریں۔ اور یہ کہ آج دین اسلام کی جو حیثیت دنیا میں ہے' اس کا جتنا بھی مرثیہ کہا جائے کم ہے۔ بقول حالی۔

اے خاصہ خاسان رسل وقت دعا ہے
امت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہے
وہ دین جو بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس میں وہ آج غریب الغربا ہے

انہوں نے مزید کہا کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی جو شان قرآن حکیم نے بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ اس دین اسلام کو دنیا کے ہر دین پر غالب کردیں گے۔ لہٰذا اگر ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو اسوہ کامل مانتے ہیں تو دین کے غلبے کے لئے بھی ان کے اسوہ سے رہنمائی حاصل کرنی چاہیے لیکن ہم اغیار کے طریق کو اختیار کئے ہوئے ہیں۔ اسے چھوڑ کر منہج انقلاب نبویؐ کو اختیار کرنا ہوگا۔ تحریک خلافت اور تنظیم اسلامی اسی طریق کو اختیار کئے ہوئے ہیں۔ جلسہ میں تلاوت کلام پاک مقامی تحریکی معاون طاہر ہاشمی نے کی تھی۔ حاضرین کی تعداد ایک صد کے لگ بھگ تھی جنہوں نے نہایت توجہ اور انہماک سے خراب موسم میں تقریر کو سنا اور تحریک کے لئے اچھے تاثرات کا اظہار کیا۔

دوسرا جلسہ اہم قصبہ بھوپال والہ میں تھا جس میں موضوع گفتگو حب رسول اور اس کے تقاضے ہی تھا' یہاں بھی مرزا ندیم بیگ صاحب نے خطاب کیا۔ انہوں نے اپنے خطاب میں کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ سے محبت کے لئے اتباع رسول کو لازم کردیا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے کہا ہے کہ رسول کا اتباع یہ ہے کہ اللہ کی بندگی کو تمام زندگی میں اختیار کیا جائے۔ لیکن آج ہم انفرادی حیثیت میں تو اللہ کی بندگی کو اختیار کئے ہوئے ہیں مگر ہماری اجتماعی زندگی اللہ کی بندگی سے آزاد ہے۔ اور قرآن نے ایسی ہی صورت کے لئے کہا ہے کہ ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الفاسقون۔ الظالمون۔ الکافرون

انہوں نے کہا کہ بندگی کامل تب ہوتی ہے جب ہم انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اللہ کے دین کو غالب اور قائم کردیں۔ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی نظام عدل و قسط یا نظام خلافت کو عملاً نافذ کرنے کے لئے ۲۳ سال تک جان گسل محنت و مشقت کی۔ اس کے لئے آپ کے جانثار صحابہ کرامؓ نے اپنی زندگیاں لگادیں۔ اب بھی دین محمدؐ کا نفاذ ہوگا تو منہج انقلاب نبویؐ سے ہوگا۔ اس میں ہماری بھی اور پاکستان کی بھی بقاء مضمر ہے۔ جلسہ کو سو سے زائد حاضرین نے انتہائی دلچسپی سے سنا اور بعد میں بعض حاضرین کے جذبات قابل دید تھے۔ جنہوں نے اپنے آپ کو تحریک کے لئے پیش کیا اور مکمل تعاون کی یقین دہانی کروائی۔

—○—

پتوکی لاہور سے ۷۷ کلو میٹر دور ملتان روڈ پر واقع ہے جہاں تنظیم اسلامی و تحریک خلافت کو متعارف کرانے کے لئے ۲۸ر ستمبر کو جلسے کی تاریخ طے پائی۔ ۲۷ر ستمبر کو چند رفقاء مغرب کی نماز سے قبل مقررہ مقام پر پہنچ گئے اور نماز کے فوراً بعد جناب محمد اشرف وصی صاحب ناظم حلقہ بھی تشریف لے آئے کیونکہ اس پروگرام کے لئے دعوتی مہم صرف ایک دن میں مکمل کرنا تھی۔ اگلے روز فجر کی نماز کے بعد گاڑی پر لاؤڈ سپیکر نصب کر کے اعلان کا آغاز کردیا گیا جس کے ساتھ ساتھ ہینڈ بل بھی تقسیم کئے گئے جو ہمارے پاس ایک ہزار کی تعداد میں تھے۔

صبح سات بجے ہم نزدیکی قصبہ جمبر گئے وہاں لوگوں کو پروگرام میں شرکت کی دعوت دی اور تنظیم کو متعارف کرایا۔ جناب رحمت اللہ بٹر صاحب جن کا جلسے میں خصوصی خطاب تھا' صبح نو بجے ہی تشریف لے آئے۔ ناظم حلقہ محمد اشرف وصی صاحب اور جناب رحمت اللہ بٹر گاڑی کے دونوں طرف ہینڈ بل تقسیم کرتے جارہے تھے اور غلام اصغر صدیقی نے مائیک سنبھالے رکھا۔ ہمارے معاشرے میں ایسی مثالیں بہت کم ملتی ہیں کہ کوئی مقرر خود ہی اپنے جلسہ کی تشہیری مہم میں بھی اس طرح شریک ہو جیسے جناب رحمت اللہ بٹر شریک تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کو استقامت دے اور ہمیں ان کی خوبیوں کو اپنانے کی توفیق دے۔

بعد از نماز مغرب ٹاؤن ہال کے لان میں جلسہ کی کارروائی کا آغاز ہوا۔ جناب حافظ عبدالقادر صاحب نے تلاوت کلام پاک سے پروگرام کا آغاز کیا موصوف پتوکی میں ایک دینی تعلیم کی درسگاہ کے مہتمم ہیں اور ہماری گذارش پر تلاوت کے لئے تشریف لائے تھے۔ انہوں نے مکمل سورۃ صف کی تلاوت کی اور بعد میں ترجمہ بھی کیا۔ اس کے بعد غلام اصغر صدیقی نے لوگوں کو بتایا کہ احیائے اسلام کے لئے بہت سی جماعتیں کام کررہی ہیں۔ انہی میں سے ایک تنظیم اسلامی بھی ہے جو پہلے اپنے ملک میں اور پھر پوری دنیا میں اسلام کا عادلانہ نظام یعنی نظام خلافت قائم کرنا چاہتی ہے جسے نبی اکرمؐ نے صرف ۲۳ سال کے مختصر عرصے میں بالفعل قائم کر کے دکھادیا تو اب ہمیں ان کے امتیوں کے طور پر کیا کرنا ہے' اس موضوع پر گفتگو کے لئے آج کی تقریب منعقد کی گئی ہے۔ چنانچہ سیرت النبیؐ کے انقلابی پہلو' نظام خلافت کے خدوخال اور موجودہ حالات میں اس کے قیام کے طریق کار پر جناب رحمت اللہ بٹر نے خطاب فرمایا۔

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

تاخلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لاکہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تحریکِ خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ ندائے خلافت لاہور

جلد ۱ شمارہ ۳۷

۱۳ اکتوبر ۱۹۹۲ء

مدیر
اقتدار احمد

معاون مدیر
حافظ عاکف سعید

یکے از مطبوعات
تنظیمِ اسلامی
مرکزی دفتر: ۶۷-اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو لاہور
مقامِ اشاعت
۳۶-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون: ۸۵۶۰۰۳

پبلشر: اقتدار احمد طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ، لاہور

قیمت فی پرچہ -/۳ روپے

سالانہ زرتعاون (اندرونِ پاکستان) -/۱۲۰ روپے

زرتعاون برائے بیرونِ پاکستان
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، بھارت ——— ۱۶ امریکی ڈالر
مسقط، عمان، بنگلہ دیش ——— ۱۲ " "
افریقہ، ایشیا، یورپ ——— ۱۷ " "
شمالی امریکہ، آسٹریلیا ——— ۲۰ " "

افتتاحیہ

امتناعِ سود پہلے کی نسبت اب سَو گُنا مشکل ہے

طوفانی بارش کے تھپیڑوں اور سیلاب کے منہ زور ریلوں نے ہمارا جو حال کیا' وہ درحقیقت محض تمہید ہے اس مصیبت بلکہ ابتلاء و آزمائش کی جو چند ماہ فوری اثرات کے طور پر اور پھر کئی سال دوررس و دیرپا نتائج کی شکل میں برقرار رہ کے پے درپے ہمارے کڑے امتحان لے گی۔ اس مشکل وقت میں عوام نے تو اللہ کو پکارنا ہی تھا' ان لوگوں کو بھی خدا یاد آیا جن پر یہ افتاد براہ راست نہیں پڑی اور خواص میں سے بھی اکثر عملی زندگی میں نہیں تو کم از کم اپنی سوچ اور اپنے مزاج پر چونکہ دین و مذہب کی چھاپ رکھتے ہیں لہٰذا تقریباً سبھی نے اپنے اپنے اسلوب میں مسلمانانِ پاکستان کو خبردار کیا کہ اسے عذاب کی ایک صورت سمجھا جائے جو اللہ تعالیٰ نے اس انتباہ کے ساتھ ہم پر مسلط کیا ہے کہ ہوش میں آؤ ورنہ کسی بہت بڑی پکڑ میں آجاؤ گے۔ ہاں' ایک صاحب جو شاید محض برائے وزن بیت مولانا کہلاتے لیکن دراصل بس ایک خوش مقال دانشور ہیں' دور کی کوڑی لائے ہیں۔ اخبارات میں ان کا بیان پڑھنے میں آیا کہ عذاب الٰہی کا سلسلہ بعثت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سے موقوف ہوچکا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ وہ عذاب استیصال کا مفہوم خوب سمجھتے ہیں جو واقعی آنا بند ہوچکا ہے اور وجہ صاف ظاہر ہے کہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی و رسول ؛ ہم آخری امت مسلمہ اور تا ابد دنیا کو آباد رکھنے والے انسان اب آخری امت دعوت ہیں جس کا صفایا اب قیامت ہی آکر کرے گی لیکن عذاب الادنیٰ یعنی چھوٹے موٹے عذاب کے ذریعے اپنے بندوں کو گاہے گاہے جھنجھوڑتے رہنا اللہ تعالیٰ کی سنت ثابتہ ہے جو نصوص قرآنی میں وضاحت سے بیان ہوئی اور سچ یہ کہ اس رحمان و رحیم کی رحمت کا مظہر ہے جو ابھی انسانوں بلکہ یہ کہنا بہتر ہوگا کہ مسلمانوں سے اس درجے مایوس نہیں ہوا کہ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دے۔

عالم اسلام نے پچھلی چودہ صدیوں میں ایسے جن عذابوں کے ذائقے چکھے' ان کا ذکر جانے دیں تب بھی کیا وہ عذاب کچھ کم تھے جو خود اہل پاکستان پر گزشتہ نصف صدی سے بھی کم کے سے مختصر عرصے میں نازل ہوئے ہیں۔ ہمارے قدموں کے نیچے سے بلاؤں نے کیا سر نہیں اٹھایا' سروں کے اوپر کبھی مصائب کی بارش نہیں ہوئی' ہمیں متحارب گروہوں میں تقسیم کرکے کیا ایک دوسرے کی قوت کا مزا نہیں چکھایا گیا (مشرقی پاکستان میں جو بیتی' سندھ کے شہری اور دیہی علاقوں میں جو کشت و خون ہوا اور جھنگ میں' کبھی شمالی علاقوں میں اور کبھی کوئٹہ میں نفرت و عداوت کے جو بادل گرجتے رہتے اور برس بھی جاتے ہیں' وہ کیا فراموش کئے جاسکتے ہیں؟) اور کیا اس سب سے بڑی بلکہ لرزا دینے والی وعید کے بھی ہم سزاوار نہیں ٹھہر چکے جو دلوں میں نفاق کا جڑ پکڑ جانا ہے؟۔ للہ' نہ آپ خود فریبی میں مبتلا ہوں اور نہ مسلمانوں کو عبرت پکڑنے کے اس موقع سے محروم کریں البتہ مسلمانوں جیسے نام رکھنے والے لیکن بے خدا نظریات کے اسیر اہل قلم سے ہمیں کوئی شکایت نہیں' ہمارے ذرائع ابلاغ پر جن کا قبضہ ہے۔ ان کی طرف سے عذاب الٰہی اگر مذاق کا موضوع بنتا ہے تو بنے کہ ان کی بن آئی اور ہمارے دینی تصورات کا خاکہ اڑانے کا انہیں بھرپور موقع ملا ہے۔ وہ برملا کہتے ہیں کہ گنہگار کیا صرف وہی بے بس ولاچار غریب غرباء ہیں جن پر اس "مبینہ" عذاب کی مار پڑی؟۔ ان کے طنز و استہزا کا کافی و شافی جواب ہمارے پاس موجود ہے جسے مؤخر کرکے ہم قوم کو اس سب سے بڑی افتاد سے آگاہ کرنا چاہتے ہیں جو سیلاب بلا اپنے ساتھ لایا اور اب پیچھے چھوڑ گیا ہے۔

سود کی لعنت سے چھٹکارے اور گویا اللہ اور رسولؐ سے جنگ بندی کا بہانہ جو ہماری وفاقی شرعی عدالت کے عدیم النظیر فیصلے نے فراہم کیا' وہ ہمارے حکمرانوں کو ایک آنکھ نہ بھایا کیونکہ پاکستان کو کوریا اور جاپان بنانے کے ان کے خواب پریشان ہوجاتے۔ امتناع سود کی تعمیل میں لیت و لعل کے سب ہی حربے آزمائے جارہے تھے۔ خوئے بد را بہانہ بسیار اور صاف نظر آرہا تھا کہ اس سے بچاؤ کی کوئی نہ کوئی تدبیر کر ہی لی جائے گی لیکن اب تو لگتا ہے جیسے ان کا مسئلہ حل ہوگیا ہے۔ "خود انحصاری" کو سیلاب بہا کر لے گیا' عالمی برادری سے امداد کی درخواست نہ کرنے کے زعم خودداری نے بھی حال ہی میں دم توڑ دیا ہے' وفاقی وزیر خزانہ جناب سرتاج عزیز نہ جانے کن شرائط پر ۴۵ کروڑ ڈالر کی "امداد" لے کر شاداں و فرحاں نیویارک سے لوٹے ہیں اور کیمیاوی کھاد کے لئے "چیزمین ہیٹن بنک" سے اونچی شرح سود پر جو "نجی قرضہ" لیا گیا ہے' وہ اس پر مستزاد۔ ابھی کیا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اپنی ہنگامی ضروریات کے لئے کہاں کہاں سے کن شرائط پر ہمیں ادھار پکڑنا ہوگا اور خود صاحب ثروت اہل وطن کی دولت کو بنکوں سے لے کر کتنا سود ادا کرنا ہوگا۔ ہمارے ارباب حل و عقد تو عام حالات میں بھی سود کے رواج کو جاری و ساری رکھنا چاہتے تھے' اب تو حق یہ ہے کہ بڑی ہی غیر معمولی صورت حال ہے۔

اس تناظر میں سب سے بروقت اور ضروری انتباہ امیر تنظیم اسلامی جناب ڈاکٹر اسرار احمد کی طرف سے آیا ہے جنہوں نے پچھلے جمعے اپنے خطاب میں کہا کہ سود سے جان چھڑانا اب چھ ماہ پہلے کے مقابلے میں کم سے کم سو گنا مشکل ہوگیا ہے۔ اس سنگین حقیقت سے نظریں چرائی نہیں جاسکتیں جس کی طرف رجال دین کی توجہ نہیں ہوئی۔ کاش یہ یہ

(باقی صفحہ ۱۱ پر)

الہدیٰ

سورۃ البقرہ
(آیت ۱۳۰ تا ۱۳۲)

ترجمانی: حافظ عاکف سعید

اور کون ہے جو اعراض کرسکے ملت ابراہیم سے مگر وہی جو اپنے آپ کو حماقت میں مبتلا کرے'

(حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقام و مرتبے کے بیان اور بیت اللہ کی تعمیر کے وقت اپنی آئندہ نسل کے حق میں انؑ کے قلب کی گہرائیوں سے نکلنے والی دعاؤں کے ذکر کے بعد کہ جن میں سے ایک دعا کا مصداق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی شکل میں ظاہر ہوا' اب اس آیت میں یہود کے طرز عمل کو نہایت بلیغ پیرائے میں ہدف بنایا گیا کہ یہ لوگ جو ملت ابراہیم کے پیرو ہونے کے سب سے بڑی مدعی اور بزعم خویش اس کے اجارہ دار بنے بیٹھے ہیں' حال ان کا یہ ہے کہ جو پیغمبر ملت ابراہیم کا داعی بن کر آیا ہے اس کے مخالفین میں یہ سرفہرست ہیں۔ اس نبیؐ اور اس کے دین سے ان کی بیزاری کا عالم یہ ہے کہ یہ ہر اس شخص کو احمق قرار دیتے ہیں جو اس نبی کا ساتھ دیتا ہو۔ ان کا طرز عمل اس حقیقت کا غماز ہے کہ خود یہی لوگ حماقت اور خرد باختگی کی آخری حدود چھو رہے ہیں!)

اور بے شک ہم نے اسے منتخب کیا دنیا میں اور آخرت میں بھی وہ صالحین کے زمرہ میں ہوگا○

(کہ ابراہیم علیہ السلام اس دنیا میں امام الناس اور خلیل اللہ قرار پائے اور بلاشبہ آخرت میں بھی وہ اللہ کے مقربین میں سے ہوں گے)

جب اس کو کہا اس کے رب نے کہ اطاعت اختیار کر' اس نے کہا میں نے اطاعت اختیار کی تمام جہانوں کے پروردگار کی○

(حضرت ابراہیمؑ کی جو ادا ان کے رب کو سب سے زیادہ پسند آئی وہ ان کی بے مثال حکم برداری اور اطاعت شعاری تھی۔ انہوں نے پورے طور پر خود کو اپنے رب کے حوالے اور اپنی مرضی کو رب کی رضا میں ضم کردیا تھا۔ اپنے رب کے ہر حکم کے آگے بے چون و چرا سر تسلیم خم کردینا ان کا شیوہ تھا۔ اسی روش کا نام اسلام ہے!)

اور اسی بات کی وصیت کی تھی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوبؑ نے بھی۔ کہ اے میرے بیٹو' اللہ نے منتخب فرمایا ہے تمہارے لئے اس دین کو تو تم نہ مرنا مگر حالت اسلام پر○

(حضرت ابراہیمؑ نہ صرف یہ کہ خود اسی اطاعت شعاری کی روش یعنی "اسلام" پر کاربند رہے بلکہ اپنے بیٹوں کو بھی اسی بات کی تلقین اور وصیت کرتے رہے۔ یہی معاملہ ان کے پوتے حضرت یعقوبؑ کا بھی تھا جو خود بھی اللہ کے نبی تھے۔ یہ بلند مرتبت ہستیاں تمام زندگی اپنی اولاد کو اسی بات کی تلقین اور تاکید کرتی رہیں کہ مرتے دم تک اپنے رب کی حکم برداری اور اطاعت شعاری اختیار کئے رکھنا' تمہارا دم آخریں اسی حالت اسلام پر نکلنا چاہیے!!)

یہاں امریکہ کی خوشنودگی حاصل کرنے میں کون کامیاب ہوگا'
صدر' وزیراعظم' قائد حزب اختلاف یا خود فوج .....؟

ہر ایک خود "ایجنٹ جنرل" بننا چاہتا ہے

حکومت آج نہیں تو کل ضرور جائے گی اور اصل لوگ ہی آکر اصل فیصلہ کریں گے۔

عبدالکریم عابد

پاکستانی سیاست کے تجزیہ نگاروں کا اس پر اتفاق ہے کہ صدر غلام اسحٰق خان' وزیراعظم نواز شریف اور قائد حزب اختلاف بے نظیر بھٹو کا اصل قبلہ امریکہ ہے۔ ان میں سے ہر کوئی امریکہ کی طرف منہ کر کے اپنی سیاست کرتا ہے اور امریکہ ہی سے استعانت طلب کرتا ہے لیکن یہ سب امریکی منشا کو بروئے کار لانے کی غرض سے ایک جماعت بن کر کام کرنے پر تیار نہیں۔ ہر ایک کی خواہش ہے کہ ایجنٹ جنرل صرف اسے مقرر کیا جائے' اس لئے وہ ایک دوسرے کی کاٹ میں ہیں۔ پھر درمیان میں فوج بھی ہے' اسے یہ فکر ہے کہ یہ حضرات ہمارے مفادات کی نعش پر کوئی سودا نہ کر لیں اس لئے وہ بھی اپنی ٹانگ درمیان میں پھنسائے ہوئے ہے۔ اس وقت تمام فریق حالت انتظار میں ہیں کہ امریکی انتخابات مکمل ہو جائیں اور امریکہ کی نئی حکومت کام شروع کردے تو پھر اس کے سامنے اپنا اپنا استحقاق پیش کر کے امریکی نقطہ نظر سے اپنی موزونیت ثابت کریں گے۔

صدر غلام اسحاق عوامی سیاست کے آدمی نہیں مگر جوڑ توڑ کے ماہر ہیں۔ ایک تو انہوں نے سینٹ میں اپنے آدمی پکے کر رکھے ہیں' سندھ' سرحد' بلوچستان کے صوبوں میں اپنے مضبوط مہرے رکھتے ہیں' پرانی افسر شاہی کی باقیات سے خصوصی تعلقات ہیں اور مولوی حضرات سے بھی اچھی راہ و رسم ہے۔ انہیں اپنی صحت پر بھی اس قدر بھروسہ ہے کہ ۱۹۹۳ء کے صدارتی انتخاب میں مقابلے کے لئے آنے پر تیار ہیں۔ صدر اسحٰق اس کو اپنا بڑا وصف خیال کرتے ہیں کہ وہ ایک پابند آئین شخص ہیں اور جو کچھ کرتے ہیں' آئین سے جواز حاصل کرنے اور آئین کی حدود میں رہنے کے بعد کرتے ہیں اس لئے وہ یقین رکھتے ہیں کہ امریکہ ہو' فوج ہو' یا کوئی اور' سب ایک آئین پسند آدمی کی قدر کریں گے اور عمدہ صدارت پر ان کی مزید موجودگی اس امر کی ضامن ہوگی کہ آئین کی روح نہ سہی اس کے الفاظ کا بھرم قائم رہے گا۔

صدر اسحٰق کو اپنی اس خوبی کا بھی احساس ہے کہ وہ پاکستان کے سیاسی حمام میں سب کے ننگ دھڑنگ وجود کو دیکھ چکے ہیں۔ پہلے پہل وہ سرحد میں خان قیوم کے آدمی تھے' بعد میں ایوب خان' بھٹو اور ضیاء الحق کے خصوصی معتمد رہے۔ ہر سیاستدان اور ہر بیوروکریٹ کا حال ان پر کھلا ہوا ہے اور انتظامی تجربہ اور معاشی منصوبہ بندی کا بھی ایک شاندار ریکارڈ ہے۔ بایں ہمہ وہ عوام کو متاثر کرنے والی شخصیت نہیں ہیں بلکہ عوام میں ان کے خلاف اچھا خاصا رد عمل پایا جاتا ہے۔ خاص طور پر سندھ میں جام صادق مروت لیٹڈ کے کمپنی راج نے صدر اسحٰق کی شخصیت کو داغدار کیا ہے۔ حال ہی میں یہ بات بھی کھل کر سامنے آئی ہے کہ بے نظیر حکومت کو گرانے کے لئے ایوان صدر جوڑ توڑ کا ایک اڈہ بن گیا تھا۔ وزیراعظم نواز شریف کے خلاف بھی اس اڈہ سے بہت کچھ ہوا لیکن اب دونوں خوف سے متحد ہوگئے ہیں کہ ان کی لڑائی سے تیسرا فریق فائدہ نہ اٹھائے۔

صدر اسحٰق بنیادی طور پر غیر نظریاتی آدمی ہیں۔ ذاتی زندگی میں نماز روزہ کے پابند ہیں' خواہش و منکرات سے احتراز کرتے ہیں' مالی بددیانتی اور غبن میں کبھی ملوث نہیں رہے اور بیرونی طاقتوں کے سامنے پاکستان کے قومی مفادات کی اچھی نمائندگی کی صلاحیت رکھتے ہیں لیکن ان کا کمزور پہلو ان کا خاندان ہے۔ اس خاندان نے سیاست اور معیشت میں بڑھ بڑھ کر ہاتھ مارے ہیں اور صدر صاحب اس سے صرف چشم پوشی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اپنے خاندان کی اس معاملہ میں عملی مدد بھی کرتے رہتے ہیں۔ وہ خاندان کی حمایت میں کسی کمزوری کا مظاہرہ نہیں کرتے کیونکہ

انہیں معلوم ہے کہ یہ خاندان ملک کی ایک اہم پختون لابی بھی ہے اور اس کی رسائی سرحد کے عوام اور پختون سول وفوجی بیورو کریسی میں کافی ہے اس لئے انہیں خوش رکھنا ایک سیاسی ضرورت ہے۔ یہ خاندان سیاست میں دولت بھی خرچ کرسکتے ہیں اور دوسرے دولت مندوں کو ساتھ لا بھی سکتے ہیں۔

ادھر وزیراعظم نواز شریف کو اس پر ناز ہے کہ وہ ملک کی کاروباری اور صنعتی برادری کی نمائندگی کرتے ہیں' ملک کے سب سے بڑے صوبہ پنجاب میں ان کی سیاسی جڑ بنیاد ہے اور وہ اس طرح سے ہے کہ انہوں نے بڑے بڑے چودھریوں اور خاندانوں کو ایک مفاد کی زنجیر میں باندھ رکھا ہے۔ مفادات کی یہ زنجیر بہت مضبوط ہے اور گو اس کے حلقے سے قاضی حسین احمد کی کڑی باہر نکل گئی ہے تاہم زنجیر جوں کی توں قائم ہے۔ جماعت اسلامی کا بہرحال ایک اثر نفوذ ہے اگرچہ کہ محدود سطح پر ہے لیکن فعال کارکن اور پراپیگنڈہ میں مہارت کی وجہ سے وہ فضا پر چھائے نظر آتے ہیں۔ ان کی علیحدگی کا نقصان وزیراعظم نواز شریف نے محسوس کیا ہے مگر وہ مطمئن ہیں کہ جماعت کے بغیر بھی ان کی سیاست کی دکان خوب چلتی رہے گی اور ایک طرح سے اچھا ہے کہ بنیاد پرستوں سے علیحدگی ہوگئی اس سے امریکہ بھی خوش ہوگا اور داخلی طور پر بھی دباؤ نہیں رہے گا۔ جتوئی صاحب کی علیحدگی کا تو نواز شریف پر کوئی اثر ہوا ہی نہیں کیونکہ ان کا اثر نہ سندھ میں ہے نہ پنجاب میں۔ انہوں نے اپنی سیاسی حکمت عملی اس طرح ترتیب دی ہے کہ:

۱۔ پاکستان کے علاقائیت اور لسانیت کے نام پر نعرہ زن گروہوں کو اپنے ساتھ حکومت میں شامل کیا جائے۔ سرحد کی نیپ اس حکمت عملی کے تحت مسلم لیگ یا اسلامی جمہوری اتحاد کی حکومت میں شامل ہے۔ ایم کیو ایم آج بھی اس حکمت عملی کی وجہ سے انہیں عزیز ہے اور ایم کیو ایم کے خلاف فوجی آپریشن پر انہوں نے اپنی ناخوشی کا بھی اظہار کیا تھا۔ وزیراعظم کے ساتھ بلوچستان کے بزن بزنجو اور پختون خواہ نیپ کے لوگ بھی ہیں۔ وزیراعظم کو امید ہے کہ مینگل مری بھی ان کے ساتھ آجائیں گے۔ سندھ میں جئے سندھ کی شکل میں کئی مشتعل گروہ ہیں جو مخالف پیپلزپارٹی حکومت اور اسٹیبلشمنٹ سے تعاون کے لئے ہمہ وقت تیار ہیں۔

۲۔ امریکہ ملکی معیشت کے سلسلے میں جو مطالبات عالمی بینک یا آئی ایم ایف کے ذریعے کرتا ہے' اس کی تکمیل کے لئے وزیراعظم تیار ہیں۔ پرائیویٹائزیشن کو وہ اپنا بڑا کارنامہ سمجھتے ہیں' بیرونی ملٹی نیشنل کمپنیوں سے ان کا گٹھ جوڑ مضبوط ہوگیا ہے اور وہ اس کے بھی حامی ہیں کہ عالمی مالیاتی اداروں کے مطالبے کے مطابق بجٹ کا خسارہ کم کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ ٹیکس لگائے جائیں۔ سبسڈیز کو رفتہ رفتہ ختم کیا جائے' تعلیم' صحت' ٹرانسپورٹ مفت یا برائے نام قیمت پر فراہم کرنے کی بجائے اسے صنعت اور تجارت کی شکل دے دی جائے اور آزاد یا لبرل معیشت کے ذریعے ایک نیا طاقتور خوشحال طبقہ پیدا کیا جائے جو حکومت کا حامی ہو۔

۳۔ وزیراعظم کے ذہن میں ہے کہ پاکستان کو بھارت سے مصالحت تو کرنی ہوگی اور اس مصالحت کے لئے امریکہ جو کچھ کہے وہ ماننا ہوگا۔ کشمیر کے سلسلے میں کسی ایک موقف پر اڑنا غلط ہے اور تیسرے چوتھے آپشن کے لئے بھی تیار رہنا چاہیے۔ ہندوستان پاکستان کے درمیان تجارت' آمدورفت اور ثقافتی تعلقات میں توسیع کے لئے وہ بھارت کی جانب سے ساز گار رفقاء کے منتظر ہیں مگر بھارت کھنچا کھنچا رہنے میں ہی اپنا مفاد سمجھتا ہے۔

۴۔ سب سے بڑا مسئلہ ایٹمی مسئلہ ہے۔ وزارت خارجہ نے واضح کردیا ہے کہ وہ جس حد تک پہنچ گئے تھے' اس پر رک گئے ہیں' مزید آگے نہیں بڑھ رہے ہیں اور ہندوستان کے ساتھ مل کر ایٹمی امتناع اور بین الاقوامی نگرانی کے سمجھوتہ کو قبول کرنے کے لئے تیار ہیں۔

۵۔ وزیراعظم نواز شریف کا پنجاب سے تعلق ہے اور پنجاب کا طبقہ اشرافیہ کبھی بھی بھارت سے جنگ و جدل کا حامی نہیں رہا بلکہ پاک و ہند مصالحت کا خواں رہا ہے لیکن پنجاب کے عوام اور متوسط طبقہ میں مخالف بھارت لہر زبردست تھی۔ یہ لہر آج بھی ہے اور اس لہر کے مقابلے میں کھڑے ہو کر پاک بھارت مصالحت کے حق میں بات کرنا بے نظیر کے لئے مشکل جبکہ نواز شریف کے لئے پنجابی ہونے کی وجہ سے آسان ہے۔

۶۔ وزیراعظم ایک طرف "بنیاد پرستوں" سے اپنی علیحدہ روش کا اظہار کرتے ہیں' دوسری جانب وہ یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ پیشہ ور مولوی مشائخ جمع رکھے جائیں تاکہ یہ کسی مخالفت کیمپ میں نہ جاسکیں۔

مگر اقتدار سنبھالنے کے بعد سے نواز شریف صاحب کی ساکھ مسلسل گر رہی ہے اور "دی نیوز" کے خلاف بغاوت کا مقدمہ قائم کرنے اور واپس لینے کے بعد ان کی ساکھ پر اور بھی برا اثر پڑا ہے۔

نواز شریف صاحب کے مقابلے میں بے نظیر صاحبہ نے جو حکمت عملی اختیار کی ہے' وہ حسب ذیل ہے:

(۱)۔ فوج سے تعلقات بہتر بنائے جائیں' فوج کو یہ یقین دلایا جائے کہ اس کے مفادات کی حفاظت پیپلزپارٹی بہتر طریقے پر کرسکتی ہے کیونکہ اس کی رہنما کے تعلقات امریکہ' برطانیہ' فرانس ہر جگہ اوپر کی سطح پر ہیں اور ذرائع ابلاغ میں بھی ہیں۔ اس لئے وہ پاکستانی فوج اور امریکہ کا معاملہ کرانے کی پوزیشن میں ہیں' دوسرا کوئی یہ کام نہیں کراسکے گا کیونکہ بیرونی دنیا میں اس کی نہ وقعت ہے نہ ساکھ۔

(۲)۔ پاکستان کو بھارت کی جانب سے جو چیلنج درپیش ہے' اس چیلنج کے مقابلہ کے لئے بھی بے نظیر کارآمد ہیں۔ وہ بھارتی رائے عامہ پر بھی اثر انداز ہونے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ اگر پاک بھارت مصالحتی مشن کے تحت انہیں ایک بار بھارت کے دورہ کی اجازت مل جائے تو یہ ایک دورہ ہی بھارت کی رائے عامہ پر کافی اثر انداز ہوگا اور بے نظیر حکومت بھارت سے مصالحت اس طرح نہیں کریگی کہ اہل پاکستان کو خجالت ہو یا احساس زیاں۔

(۳)۔ پاک بھارت مصالحت کے نئے دور کے آغاز کے لئے ملک میں ایک نئی فضا بنانے کی ضرورت ہے۔ نواز شریف یہ فضا نہیں بناسکتے' ان کے ساتھ نہ چھوٹے صوبے ہیں نہ بڑے صوبہ کے اسٹیبلشمنٹ یا سیاسی مزاج کے لوگ' اس لئے وہ نہ بنیاد پرستوں سے لڑنے کی اہلیت رکھتے ہیں نہ پنجاب کی روایتی سوچ سے اسے اونچا اٹھانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یہ کام بے نظیر کرسکتی ہیں' اس کے لئے ان کا ذہن اور مزاج موزوں بھی ہے اور وہ اس ذہن و مزاج کے ایک بڑے طبقہ کو اپنے ساتھ بھی رکھتی ہیں جو فعال ہو کر ملک میں نئی فضا پیدا کرسکتا ہے۔

(۴)۔ وزیراعظم بے نظیر کی حکومت میں

پنجاب بھی مطمئن رہ سکتا ہے اور چھوٹے صوبے بھی۔ اس لئے امریکہ ان سے جو معاملہ کرے گا وہ ایک بالا بالا سودے بازی کی طرح نہیں ہوگا اس کے پیچھے حمایت بھی ہوگی۔

(۵)۔ بے نظیر کے شخصی کردار پر بدعنوانیوں اور مالی لوٹ کھسوٹ کے الزامات نہیں ہیں یا اگر ہیں تو عوام کے نزدیک وہ غلط ہیں البتہ یہ شکایت ضرور ہے کہ ان کے ساتھی غلط رہے ہیں لیکن وہ اس شکایت کا ازالہ کرسکتی ہیں۔

ایوب خان تھے جو نہری پانی کا معاہدہ کرگئے ورنہ سیاستدان یہ نہیں کرسکتے تھے۔ پھر یہ ضیاء الحق تھے جو کرکٹ ڈپلومیسی کھیل سکتے تھے اور کہہ سکتے تھے کہ سیاچین کا کیا ہے' وہاں تو گھاس بھی نہیں اگتی۔ کوئی اور یہ نہیں کہہ سکتا تھا اس لئے امریکہ اگر پاکستان اور بھارت کے درمیان کوئی پختہ مصالحت چاہتا ہے تو یہ کام فوج کے ذریعہ ہی ہوسکتا ہے۔

اس کے لئے نہ صدر اسحٰق مناسب ہیں نہ نواز شریف نہ بے نظیر صاحبہ بلکہ موزوں ترین آدمی جنرل آصف نواز ہیں اور امریکہ ایسا ناداں نہیں ہے کہ وہ موزوں آدمی کو چھوڑ کر ناموزوں افراد کا انتخاب کرے۔ اس بنا پر ملک میں یہ قیاس آرائیاں مستقل ہیں کہ حکومت آج نہیں تو کل ضرور جائیگی اور اصل لوگ ہی آکر اصل فیصلہ کریں گے۔ ○○

خلافت مسلمانان عالم کے مسائل کا حل

آج کل مسلمان ملکوں کا معاشرہ صحیح معنوں میں اسلامی معاشرہ نہیں ہے۔ اس معاشرہ کی سوچ' ذہنیت' قاعدے و قوانین اور حکومت کرنے کا طریقہ غیر اسلامی نظریہ فکر کا حصہ ہیں۔ باہر جانے کی ضرورت نہیں اپنے ہی ملک کو لے لیجئے اور ذرا سا غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا اس معاشرہ سے دور کا رشتہ تک نہیں ہے۔ صرف لوگوں کا نماز پڑھ لینا' اسلامی طور طریقہ پر شادی یا طلاق کرلینا اور دوسرے چھوٹے مسئلے مسائل سے معاشرہ اسلامی نہیں بنتا۔ بلکہ اس کے لئے کسی ملک کی حکومت' اقتصاد' تعلیم' بیرونی و خارجی پالیسی تمام کی تمام اسلامی اصولوں پر ہونا ضروری ہے۔

آج مسلمان ہر طرف سے کافروں کے چنگل میں ہیں۔ یوگوسلاویہ میں مسلمانوں کا قتل عام ہو یا ایتھوپیا اور صومالیہ میں قحط' پاکستان میں قتل عام ہو یا کشمیر کے مسائل ---- ہر طرف سے آج کا مسلمان مصیبت میں ہے۔ ان سب مصائب کا صرف اور صرف ایک ہی حل ہے اور وہ ہے خلافت کا قیام۔ دنیا بھر کے سب مسلمانوں پر خلافت کا قیام اور پھر ان پر صرف ایک خلیفہ کا رہنا ایسے فرائض کی طرح ہے' جن کو چھوڑ دینا اللہ عزوجل نے حرام قرار دیا ہے۔ یہ فرض ایسا فرض ہے جس سے کسی مسلمان کی پسند یا ناپسند کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی اس فرض کی تکمیل میں کوئی غفلت' تساہل یا لاپرواہی ہونی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے خلافت کے فرض کو اتنی اہمیت دی ہے۔ جس کی کوتاہی سے اللہ تعالیٰ انہیں شدید ترین عذاب دے گا۔

حضرت نافع کہتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے ہاتھ کھینچ لیا تو وہ اللہ کے ساتھ قیامت کے دن اس طرح ملاقات کریگا کہ اس کے ہاتھ میں کوئی حجت یا سند نہ ہوگی اور جو اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں امام یا خلیفۃ المسلمین کی بیعت نہ ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔ تو اے لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کہنے والے لوگو۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اس بات کو کان کھول کر سن لو کہ خلافت ایک ایسا فرض ہے جس کی غیر موجودگی سے کئی بلکہ زیادہ تر فرائض رک رہے ہیں۔ ہم لوگ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کیسے بچ سکیں گے جب تک ہم اس اسلامی ریاست یا خلافت کو قائم نہ کریں جو اسلامی لشکروں کو تیار کرتی ہے جو کہ اسلامی حدود کی حفاظت کرتی ہے جو کہ حدود اللہ کا نفاذ کرتی ہے اور جو ما انزل اللہ کے مطابق حکمرانی بجالاتی ہے۔ آیئے اور خلافت جیسے فرض کی تکمیل میں ہماری مدد کیجئے۔

منجانب: اسلامک دعوہ سنٹر ۴۱-۵۷' ۳۷ ایونیو۔ وڈ سائیڈ نیویارک ۱۱۳۷۷ (یو ایس اے)

نواز شریف اور بے نظیر کے علاوہ ایک تیسرا حریف فوج ہے جو پاکستان پر ہمیشہ حکمران رہا اور اسی کے سامنے اب یہ سوال درپیش ہے کہ وہ حکمرانی کا خیال دل سے نکال دے اور منتخب حکومت کا فرمانبردار بن کر رہے یا اقتدار کو وہ براہ راست نہ سہی بالواسطہ طور پر اپنے پاس رکھے اور افراد حکومت خواہ سول ہوں لیکن حکومتی پالیسیاں وہی ہوں' جو فوج چاہتی ہے۔ امور خارجہ' امور دفاع' امور معیشت اور ملک کے داخلی نظم و نسق میں اس کی مرضی کو بالادستی حاصل ہونی چاہیے۔ فوج میں یہ احساس ہوسکتا ہے کہ اگر امریکہ سے مصالحت کرنا ہی ہے تو یہ کام ہما شما کیوں کریں ہم خود ہی یہ کام بھی کیوں نہ سرانجام دیں۔ اس لئے ایک رائے یہ ہے کہ فوج کو ہی تمام ذمہ داریاں سنبھال کر امریکہ سے دو بدو ہو کر معاملہ کر لینا چاہیے جس کے لئے ایک قومی حکومت بھی بنائی جاسکتی ہے جس میں اہم سیاسی رہنما شامل ہوں۔

بہت سے لوگ اب یہ خیال کررہے ہیں کہ ملک میں انقلابی تبدیلیوں کی ضرورت ہے جو سیاستدان نہیں لاسکتے۔ کیونکہ ان میں کوئی جان نہیں ہے اور ان کی آپس کی لڑائی بھی اس انتہا پر پہنچ گئی ہے کہ یہ کوئی سیاسی نظام چلا ہی نہیں سکتے۔ بس ہروقت کی تو تکار چل سکتی ہے جس میں ملک کا بھلا نہیں اس لئے فوج کو آگے آنا چاہیے۔ سندھ کے مجرم' باغی اور دہشت گردوں کا خاتمہ فوج کرسکتی ہے' حکومت میں شریک بدعنوان عناصر کی گردن وہ پکڑ سکتی ہے۔ امریکہ کی مرضی پر فوج نے ہمیشہ عمل کیا ہے۔ اب سرد جنگ کے خاتمے کی وجہ سے حالات اگرچہ بدل گئے ہیں تاہم فوج امریکہ کی نئی ضرورتوں سے مطابقت پیدا کرسکتی ہے اور بھارت سے مصالحت کے سلسلہ میں تو فوج ہی کے لوگوں نے پیش قدمی کی تھی۔ یہ

"جنگ" کے نام ایک مراسلہ اور مختصر سی خوبصورت تعریض جسے وہاں جگہ نہ ملی

"کون" معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں۔

قصہ مسجد سے "بے دخلی" کا

شامی صاحب کو ڈاکٹر اسرار کی دہقانیت پسند نہیں کیونکہ وہ خود اب شہری بابو ہیں

محمد نسیم الدین

آج کل مجیب الرحمٰن شامی صاحب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب پر کچھ زیادہ ہی مہربان ہیں جبھی تو گذشتہ ہفتے دو مرتبہ ان کے اخبار "جنگ" کے کالم "جلسہ عام" میں ڈاکٹر صاحب موصوف کا ذکر خیر آیا۔ ایک مرتبہ تو "پاسبان" کے بارے میں جماعت اسلامی پر ریمارکس کے سلسلے میں انہوں نے اپنی برہمی کا اظہار کیا ہے اور دوسری دفعہ ان میں "دہقانیت" کا جواز پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ بہرحال بقول شاعر ع ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے۔ طنز و مزاح کے کام میں اگر نقد و نظر بھی شامل ہوجائے تو کیا مضائقہ ہے۔ کالم تو لکھنا ہی لکھنا ہے چاہے انمل اور بے جوڑ بات ہی کیوں نہ ہو۔ کالم کے ساتھ اگر کوئی منفعت بھی منسلک ہو تو قاری کو انتشار ذہنی سے بچایا جاسکتا ہے لیکن اس کی پرواہ کسے ہے!۔

حیران کن بات ہمارے لئے یہ تھی کہ ڈاکٹر صاحب موصوف پر یہ مہربانی آخر کیوں؟۔ کوئی پیشہ ورانہ رقابت والا معاملہ بھی نہیں۔ لیکن ڈاکٹر صاحب کے تذکرہ کے ساتھ جاوید غامدی صاحب کی شان میں ان کے قصیدے کو پڑھ کر معلوم ہوگیا کہ ع "کون" معشوق ہے اس پردہ زنگاری میں۔ مجبوری یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نیتوں کا حال معلوم کرنے کے لئے ہمیں کوئی بیرومیٹر مہیا نہیں کیا ورنہ ہم یہ کہتے کہ۔

ذکر اس پری وش کا اور پھر بیاں اپنا
بن گیا رقیب آخر تھا جو رازداں اپنا

غالباً شامی صاحب یہ چاہتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب جماعت اسلامی کو اصلاح احوال کا مشورہ دینے کی بجائے جاوید غامدی صاحب سے الجھ جائیں تاکہ ان کی ممدوح جماعت کی جان چھوٹے حالانکہ انہیں چاہیے یہ تھا کہ وہ ڈاکٹر صاحب کو ہدف تنقید بنانے کی بجائے اپنی توپ کا رخ میاں طفیل محمد صاحب کی جانب کرلیتے جنہوں نے جماعت اسلامی کے اندر رہتے ہوئے بیچ بازار میں اس کی "بے راہ روی" کا بھانڈا پھوڑا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی باتیں ان کو اس لئے پسند نہیں کہ انہوں نے اپنی رائے پر استقامت کا ثبوت دیا ہے جس کے اظہار کے بعد انہوں نے اپنا جماعت اسلامی میں شامل رہنا مناسب نہیں سمجھا۔ اب وہی رائے جماعت کے اکابرین کی طرف سے بھی منظرعام پر آرہی ہے جس سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ رہی ہے کہ جس حقیقت کا اظہار اب اکابرین جماعت پر ہورہا ہے اسے ڈاکٹر صاحب نے اب سے تقریباً ۳۵ سال قبل محسوس کرلیا تھا۔

جہاں تک جاوید غامدی صاحب کے مسجد جامع القرآن، قرآن اکیڈمی سے مبینہ اخراج کا تعلق ہے اس سلسلہ میں ڈاکٹر صاحب کے اس انٹرویو کا حوالہ دینا مناسب رہے گا جو آج سے تقریباً دو سال قبل شامی صاحب ہی کے ہفت وار رسالے میں یعنی "زندگی" میں چھپ چکا ہے جس میں ڈاکٹر صاحب کی وضاحت موجود ہے۔ شامی صاحب ایک ذہین صحافی ہیں اور ہمیں توقع ہے کہ ان کی یادداشت اتنی کمزور نہیں کہ اپنے ہی رسالے کی

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

محترم مدیر گرامی روزنامہ جنگ۔ کراچی
السلام علیکم و رحمہ اللہ ---- مزاج گرامی

آپ کے موقر روزنامہ کے گذشتہ دنوں کی اشاعت میں "جلسہ عام" کے کالموں میں امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا تذکرہ جس طور سے آیا ہے اس سے عوام میں ان کے بارے میں سوء ظن پیدا ہونے کا احتمال ہے۔ ہمارے دین کی تعلیم یہ ہے کہ اپنے بارے میں اگر کسی غلط فہمی کا دوسروں میں پیدا ہونے کا امکان محسوس ہو تو اسکی فوراً وضاحت کردی جائے۔ ڈاکٹر صاحب کی حیثیت انقلاب اسلامی کے علمبرداروں میں سے ہے لہٰذا ان کے معاملے میں اس وضاحت کی اہمیت دو چند ہوجاتی ہے جس کے لئے وہ خود شاید ہی وقت نکال سکیں۔ یہ فریضہ میں انجام دے رہا ہوں۔

اس ضمن میں ایک مضمون بعنوان "ذکر اس پری وش کا اور پھر بیاں اپنا" ارسال خدمت ہے۔ توقع ہے کہ صحافتی دیانت سے کام لیتے ہوئے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر تعاون علی البر کے جذبے کے تحت اپنے موقر روزنامہ کی کسی قریب ترین اشاعت میں شامل فرما کر ممنون احسان کریں گے۔

والسلام مع الاکرام
احقر محمد نسیم الدین
ناظم حلقہ سندھ و بلوچستان تنظیم اسلامی، کراچی

ان کے مقاصد جلیل، ان کی امیدیں قلیل

اسلامی انقلابی جماعت یعنی "حزب اللہ" کی خصوصیات

اہم ترین معاملہ ڈسپلن اور نظم کی پابندی کا ہے

ڈاکٹر اسرار احمد

نوائے وقت کے شکریے کے ساتھ

تقریباً ایک ماہ قبل ان کالموں میں "اسلامی انقلابی جماعت یعنی حزب اللہ کی خصوصیات" کے موضوع پر اصولی اعتبار سے مفصل گفتگو ہو چکی ہے، جس کا حاصل یہ تھا کہ کسی بھی انقلابی جماعت کے دو اجزائے ترکیبی تو بالکل بنیادی اور اساسی ہوتے ہیں، جن کے بغیر کسی انقلابی جماعت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا --- یعنی ایک یہ کہ وہ انقلابی نظریات پر وجود میں آئی ہو اور دوسرے یہ کہ وہ "فدائین" یعنی ایسے لوگوں پر مشتمل ہو جو انقلاب کے لئے تن من دھن حتیٰ کہ جان تک قربان کرنے کے لئے دل و جان سے آمادہ ہوں۔ ان پر مستزاد ہیں انقلابی جماعت کی چار اہم خصوصیات جو انقلابی جدوجہد کی کامیابی کے لئے شرط لازم کی حیثیت رکھتی ہیں ---- یعنی پہلی یہ کہ وہ جماعت بالکل نئی ہونی چاہیے جس کا کوئی تعلق معاشرے میں پہلے سے قائم سماجی، سیاسی یا معاشی تنظیموں یا اداروں سے نہ ہو، دوسری یہ کہ اس کے کارڈز بھی بالکل نئے ہونے چاہئیں اور ان کے مابین درجہ بندی میں معاشرہ میں پہلے سے موجود مراتب و درجات کے فرق و تفاوت کا کوئی عکس ہرگز نہیں ہونا چاہیے بلکہ اس کی صفوں میں اونچ نیچ یا آگے پیچھے کا سارا دارومدار کارکنوں کے اپنے مقصد کے ساتھ والہانہ عشق اور ایثار و قربانی کی جذبہ کی کمی یا زیادتی پر ہونا چاہیے۔ تیسری یہ کہ اس کے کارکنوں اور وابستگان میں یہ کیفیت پوری شدت کے ساتھ پیدا ہوجانی چاہیے کہ ان کی دلی محبت رفتہ رفتہ صرف ہم مقصد ساتھیوں کے حلقے میں محدود ہوتی چلی جائے خواہ وہ بالکل اجنبی ہوں، اور انقلاب کے دشمن انہیں اپنے ذاتی دشمن محسوس ہونے لگیں خواہ وہ ان کے قریبی رشتہ دار حتیٰ کہ "باپ، بیٹے یا بھائی" ہی کیوں نہ ہوں۔ چوتھی اور آخری بات، لیکن کمترین نہیں بلکہ اہم ترین، یہ کہ انقلابی جماعت کا نظم اور ڈسپلن فوج کے روایتی انداز یعنی "سنو اور تعمیل کرو!" کا سا ہونا چاہیے ورنہ ہوسکتا ہے کہ کسی مرحلے پر نظم کی خلاف ورزی سارے کئے دھرے پر پانی پھیر دے!

ان اصولی مباحث کے پس منظر میں اب آیئے کہ اس "حزب اللہ" کا جائزہ بھی تاریخی اور واقعاتی انداز سے لیں جس نے آج سے چودہ سو سال قبل تاریخ انسانی کا عظیم ترین، گھمبیر ترین، اور صالح ترین انقلاب برپا کیا تھا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی دیکھیں کہ اس "اسوۂ حسنہ" اور نمونہ کامل کی اساس پر آئندہ جو "حزب اللہ" قائم ہوگی اس میں اور اس چودہ سو سال قبل کی حزب اللہ میں کس کس اعتبار سے مشابہت ہوگی اور کن کن پہلوؤں سے فرق و تفاوت!

۱)- اس سے قبل یہ بات واضح کی جاچکی ہے کہ اسلامی انقلاب کا اساسی انقلابی نظریہ "توحید" ہے۔ اگرچہ وہ توحید نہیں جو آج صرف عقائد اور علم کلام کا مسئلہ بن کر رہ گئی ہے، بلکہ وہ توحید جو غیر اللہ کی حاکمیت کی جگہ انسانی خلافت، ملکیت کی بجائے امانت، اور سماجی اونچ نیچ کی جگہ کامل انسانی مساوات کا درس دینے کے ناتے عظیم ترین انقلابی قوت بن جاتی ہے (بقول اقبال۔

زندہ قوت تھی زمانے میں یہ توحید کبھی
اور اب کیا ہے فقط اک مسئلہ علم کلام

--- اب اس مرحلہ پر یہ نوٹ فرمالیں کہ حزب اللہ جس جماعت المسلمین کے "فارورڈ بلاک" کا نام تھا اس کی تنظیمی اساس توحید نہیں بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوی نبوت و رسالت کی تصدیق پر قائم تھی۔ یعنی خواہ کوئی کتنا ہی خالص موحد اور متقی اور پارسا رہا ہو اگر آنحضورؐ پر ایمان نہ لایا تو جماعت المسلمین میں شامل نہ ہوسکا--- اور اس کے برعکس خواہ کسی کے عقائد و نظریات اور اعمال و اخلاق کی بھی پوری طرح تطہیر و تطہیر نہ ہوسکی ہو لیکن اگر وہ آپؐ پر ایمان لے آیا تو فی الفور مسلمان قرار پاکر جماعت المسلمین میں شمار کیا جانے لگا۔" جماعت المسلمین" اور "حزب اللہ" کے مابین اس فرق وتفاوت کو اچھی طرح نوٹ کرلینا چاہیے۔ اس لئے کہ جماعت المسلمین میں تو ضعفاء بھی شامل تھے اور منافق بھی، جبکہ حزب اللہ بنیادی طور پر ان "فدائین" پر مشتمل تھی جو قرآن کی اصطلاح میں " السابقون الاولون من المھاجرین و الانصار" اور ان کے علاوہ زیادہ سے زیادہ " والذین اتبعو ھم باحسان" کے زمرے میں آتے تھے اور جنہیں اللہ نے اپنے اور اپنے رسولؐ کے "مددگار" قرار دیا تھا۔ بمصداق الفاظ قرآنی:" اے ایمان کے دعویدارو! اللہ کے مددگار بنو، جیسے کہ عیسیٰ ابن مریم نے اپنے حواریوں کو پکارا تھا

کہ کون ہیں میرے مدد گار اللہ کی راہ میں ' تو حواریوں نے جواب دیا تھا : ہم اللہ کے مدد گار (حاضر) ہیں!" (سورۂ صف آیت ۱۴)۔

اس "حزب اللہ" کے بارے میں یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ قرآن نے انہیں سورۂ فتح کی آخری آیت میں "اللہ کے رسول محمدؐ اور جو ان کے ساتھ ہیں" سے تعبیر کیا ہے ۔ گویا چودہ سو سال قبل کی "حزب اللہ" کی اساس اللہ کے رسولؐ کی نصرت و حمایت اور معیت و رفاقت تھی !۔ مزید غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء و رسل کی دو حیثیتیں ہوتی تھیں یعنی ایک اللہ کے نمائندے کی حیثیت سے "شارع" یعنی قانون ساز ہونے کی حیثیت اور دوسری "داعی الی اللہ" یعنی اللہ کی طرف دعوت دینے والے کی حیثیت ۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کے ختم ہونے کے نتیجے میں پہلی حیثیت اپنے نقطہ کمال کو پہنچ کر "ختم" ہوچکی ہے --- جبکہ آپؐ کے امتی "دعوت الی اللہ" کا فریضہ ان چودہ سو سالوں کے دوران بھی ادا کرتے رہے ہیں اور آئندہ بھی تا قیام قیامت ادا کرتے رہیں گے ۔

بنا بریں آئندہ جو "حزب اللہ" وجود میں آئے گی وہ بھی کسی "داعی الی الحق" اور اس کی پکار پر لبیک کہہ کر اس کے حامی و ناصر اور رفیق و ہمسفر بن جانے والوں ہی پر مشتمل ہوگی ' صرف اس فرق کے ساتھ کہ بعد کے "داعی الی الحق" نہ معصوم ہوں گے ' نہ "مامور من اللہ" ----- اور نہ ان پر وحی آئے گی ' نہ ان کو ماننے یا نہ ماننے سے لوگوں میں اسلام اور کفر کا امتیاز قائم ہوگا-!

۲)۔ تن من دھن قربان کرنے کی جو مثالیں چودہ سو سال قبل کی حزب اللہ کے ارکان نے قائم کیں ان کے اجمالی تذکرے کے لئے بھی ۔ "دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر" کے مصداق ضخیم دفتر اور عمر نوحؑ درکار تھے ۔ ایک جملہ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اتنی قول کی سچی اور دھن کی پکی ' اتنی ایثار پیشہ اور وفا شعار ' اور اتنی فعال اور متحرک جماعت چشم فلک نے نہ کبھی اس سے قبل دیکھی تھی نہ آئندہ دیکھ سکے گی ۔ اور بالکل ایسے جیسے نبی اکرمؐ جیسی ہستی نہ آپؐ سے قبل پیدا ہوئی تھی نہ آئندہ کبھی پیدا ہوسکتی ہے ' صحابہ کرامؓ کی سی جماعت بھی نہ کبھی ان سے پہلے وجود میں آئی تھی نہ آئندہ کبھی آسکتی ہے ۔ وہ سعی و جہد کے پیکر ' ایثار و قربانی کا مجسمہ اور جہاد و انفاق کی تصویر کامل تھے۔ ان کی دنیوی "امیدیں قلیل" تھیں اور "مقاصد جلیل" تھے اور وہ رزم و بزم دونوں جگہ یکساں " صاف دل و پاکباز" تھے اور ۔ "شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن" کے مطابق ان کی سب سے بڑی آرزو اللہ کی راہ میں شہادت کا رتبہ حاصل کرنا تھی ۔ چنانچہ انہوں نے اپنے رب سے یہ سند حاصل کر لی تھی کہ وہ " ایسے جوانمرد ہیں جنہوں نے اللہ سے جو وعدہ بھی کیا پورا اور سچا کر دکھایا ۔ چنانچہ ان میں سے بعض (اللہ کی راہ میں جان کی قربانی دے کر) اپنی نذر پوری کرچکے ' اور باقی (اسی نیک انجام کے) منتظر ہیں !" (سورۂ احزاب : آیت ۲۳)

۳)۔ یہ امر از خود ظاہر و باہر ہے کہ یہ جماعت بالکل نئی تھی اور اس کی اساس کسی پہلے سے موجود نسلی و قبائلی تنظیم یا طبقاتی تقسیم مثلاً غریب اور امیر کے فرق یا آزاد اور غلام کے امتیاز پر قائم نہیں تھی ۔ چنانچہ اس میں عربی بھی شامل ہوئے اور عجمی و حبشی بھی' قریشی بھی شریک ہوئے اور غیر قریشی بھی ' امیر بھی آئے اور غریب بھی ' آزاد بھی شریک ہوئے اور غلام بھی ' مرد بھی شامل ہوئے اور عورتیں بھی ' اور بوڑھے اور پختہ عمر بھی شامل ہوئے اور جوان اور نو عمر بھی ---- اور لطف یہ کہ اس حزب اللہ میں شریک ہونے کے بعد سب ۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز!

کی مکمل تصویر بن گئے !

۴)۔ اس جماعت میں کاڈرز اور درجہ بندی کا دارو مدار بھی کلی طور پر یا سبقت کرنے اور پیچھے رہ جانے کی اساس پر تھا ' یا جذبہ انفاق اور جوش جہاد کے فرق و تفاوت کی بنیاد پر ' چنانچہ یہ تو ضرور ہوا کہ (حضرت مسیحؑ کے الفاظ میں) " بہت سے بعد میں آنے والے ' پہلے آنے والوں سے آگے نکل گئے!" لیکن اس درجہ بندی میں کوئی عکس معاشرہ میں پہلے سے موجود سماجی یا طبقاتی مراتب کا ہرگز موجود نہ تھا ! یعنی جس نے نبیؐ کی پکار " من انصاری الی اللہ !" پر جتنے زیادہ جوش و خروش اور جس قدر زیادہ والہانہ و وارفتگانہ انداز میں لبیک کہا وہ اتنا ہی آگے نکل گیا اور نمایاں ہوگیا ' خواہ وہ عربی ہو یا حبشی اور قریش کے اونچے گھرانے سے تعلق رکھتا ہو یا ادنیٰ سے ' حتیٰ کہ غلام ہو یا آزاد! چنانچہ غرباء امراء سے آگے نکل گئے ' غلام شرفاء کے ' اور حبشی قریشیوں کے "سردار" بن گئے (جیسے کہ معلوم ہے کہ حضرت عمرؓ حضرت بلالؓ کو سیدنا کہہ کر خطاب فرماتے تھے!) قریش کے چوٹی کے گھرانوں سے تعلق رکھنے والے شرفاء اور سرداروں کی کمان کسی آزاد شدہ غلام یا اس کے بیٹے کو دے دی جاتی تھی (جیسے زیدؓ ابن حارثہ کی کمان میں جعفر طیارؓ بھی تھے اور خالدؓ بن ولید بھی' ---- اور مرض وفات کے دوران جو جیش آنحضورؐ نے تیار کر کے روانہ بھی کردیا تھا اس کی سپہ سالاری اسامہؓ ابن زیدؓ کو عطا فرمائی تھی اور ان کی ماتحتی میں مہاجرین و انصار کے سربر آوردہ لوگ شامل تھے!)

"حیثیت عرفی" کے اس انقلاب عظیم کی ایک نہایت دلچسپ مثال حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں سامنے آئی کہ ایک بار ان کی محفل میں سہیلؓ بن عمرو بھی موجود تھے ' جو فتح مکہ کے بعد ایمان لانے کے باعث "حزب اللہ" میں بہت پیچھے رہ گئے تھے ' اسی اثناء میں کوئی بدری صحابیؓ تشریف لے آئے تو حضرت عمرؓ نے انہیں اپنے قریب بٹھایا اور سہیلؓ کو ذرا پیچھے ہٹا دیا ' اسی طرح بہت سے "سابقون" آتے گئے اور حضرت سہیلؓ مسلسل پیچھے ہٹتے رہے ' یہاں تک بالآخر جوتیوں تک پہنچ گئے ۔ اس پر انہوں نے صدائے احتجاج بلند کی کہ " کیا آپ کی مجلس میں ہمارا مقام یہی رہ گیا ہے؟" (واضح رہے کہ وہ قریش کے چوٹی کے سرداروں میں سے تھے ' یہی وجہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر وہی قریش کے نمائندے کی حیثیت سے آئے تھے اور انہوں نے ہی نہایت ماہرانہ اور متکبرانہ انداز میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ شرائط منوائی تھیں جو ظاہری اعتبار سے مسلمانوں کے لئے توہین آمیز تھیں) ---- سہیلؓ کے اس احتجاج کے جواب میں حضرت عمرؓ نے سلطنت اسلامی کی سرحدوں کی جانب اشارہ کرکے --- گویا واضح کردیا کہ جب ملک عرب میں انقلابی جدوجہد جاری تھی تم پیچھے رہ گئے تھے ' اسی کا نتیجہ ہے جو آج تم نے دیکھا ' تاہم ---- ابھی انقلاب نبویؐ کا بین الاقوامی مرحلہ جاری ہے اور انقلاب محمدیؐ کی بیرون ملک توسیع کے لئے سرحدوں پر جہاد و قتال کا معرکہ گرم ہے ' لہٰذا اب بھی موقع ہے کہ وہاں جا کر جہاد و قتال فی سبیل اللہ میں جانفشانی اور سرفروشی کے ذریعے اپنی

"حیثیت عرفی" کو کسی قدر بحال کرنے کی کوشش کر سکتے ہو ! بصورت دیگر مزید پیچھے ہٹتے چلے جاؤ گے!

۵)۔ اسی طرح چودہ سو برس قبل کی حزب اللہ میں ایک جانب "الحب للہ" نے قومی و قبائلی اور نسلی و لسانی جملہ امتیازات کو معدوم کر کے رکھ دیا تھا ' اور نسلی عداوتوں اور خاندانی دشمنیوں کی آگ کو ٹھنڈا کردیا تھا ' تو دوسری جانب " والبغض فی اللہ " کی تلوار نے نسلی اور خونی رشتوں تک کو کاٹ کر رکھ دیا تھا ۔ چنانچہ غزوہ بدر میں عتبہ ابن ربیعہ نے مبارزت کا نعرہ بلند کیا تو اس کے جواب میں اس کے حقیقی فرزند حضرت حذیفہؓ تڑپ کر نکلے (یہ دوسری بات ہے کہ رحمت عالمؐ نے روک دیا) اسی طرح جب عبدالرحمٰن ابن ابی بکرؓ نے جو غزوۂ بدر تک ایمان نہیں لائے تھے اور بدر میں لشکر کفار میں شامل تھے اسلام لانے کے بعد ایک موقع پر اپنے والد حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ " ابا جان ! آپ بدر میں کئی مرتبہ میری زد پر آگئے تھے لیکن میں نے آپ کا لحاظ کیا تھا" تو اس کے جواب میں صدیق اکبرؓ نے فرمایا: "یہ اس لئے ہوا کہ تم کفر کے لئے جنگ کررہے تھے ' خدا کی قسم اگر کہیں تم میری زد پر آجاتے تو میں ہر گز لحاظ نہ کرتا!"

اس معاملے میں یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ یہ معاملہ اس وقت تو اس بنا پر واضح تھا کہ ایک جانب اسلام تھا اور دوسری جانب کفر----اس لئے کہ مدنی دور میں خود نام نہاد مسلمانوں میں بھی ایسے لوگ موجود تھے جو قانونی اعتبار سے تو "جماعت المسلمین" میں شامل تھے ' لیکن کفار سے دوستی رکھنے کے باعث "یہ بھی حزب الشیطان میں شامل ہیں" کے قرآنی فتوے کی زد میں آگئے تھے۔ (سورۂ مجادلہ : آیت۱۹) ----- لہٰذا اب بھی حالات میں کوئی معنوی اور حقیقی فرق واقع نہیں ہوا ---- اور آج بھی "حزب اللہ" کے لئے عملی طریق کار یہی لازم ہوگا کہ " جماعت المسلمین" میں شامل جملہ مسلمانوں کے شریعت کے مطابق حقوق ادا کرتے ہوئے ' اپنی اصل محبت قلبی اور تعلق خاطر کو صرف ان لوگوں کے دائرے میں محدود کردیں جو اسلامی انقلاب کے لئے عملاً کوشاں ہوں اور اس کے لئے جانی و مالی ایثار کررہے ہوں ۔ بصورت دیگر نہ وہ "حزب اللہ" کے لئے کوالیفائی کرسکیں گے نہ ہی اسلامی انقلاب کی کٹھن منزل کے سر پر ہونے کا کوئی امکان پیدا ہوگا ۔

۶)۔ آخری لیکن اہم ترین معاملہ ڈسپلن اور نظم کی پابندی کا ہے ۔ اس ضمن میں چودہ سو سال قبل کی حزب اللہ کی صورت تو یہ تھی کہ داعی اور امیر ' اور سپہ سالار اور سربراہ مملکت کی جملہ حیثیتیں اس مقدس ہستی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں جمع تھیں جو نبی اور رسول تھے ' اور مہبط وحی اور معصوم ہونے کی بنا پر ہر وقت ' ہر حال ' اور ہر حیثیت میں مطاع مطلق تھے ' چنانچہ آپؐ کی اطاعت کی جو کیفیت اہل ایمان سے مطلوب تھی ' اور جس پر ان کے ایمان کے اثبات یا نفی کا دارو مدار تھا ' وہ مندرجہ ذیل دو آیتوں سے واضح ہوجاتی ہے :

(i) " کسی مومن مرد یا عورت کے لئے ہرگز جائز نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کے رسول کوئی معاملہ طے کردیں تو اس کے بعد بھی وہ اپنے آپ کو کسی اختیار یا انتخاب کا حقدار سمجھیں" (سورۂ احزاب ' آیت:۳۶)

(ii) "اے نبیؐ آپ کے رب کی قسم ' یہ لوگ ہر گز مومن نہیں ہوسکتے جب تک کہ اپنے تمام اختلافات اور نزاعات میں آپؐ ہی کو آخری فیصلے کا مختار اور مجاز نہ سمجھیں ' اور پھر جو فیصلہ بھی آپؐ دے دیں اس پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی تک محسوس نہ کریں ' بلکہ اسے (پوری خوشدلی کے ساتھ) ایسے تسلیم کریں جیسے تسلیم کرنے کا حق ہے !" (سورۂ نساء آیت ۶۵)۔

لہٰذا نبیؐ کی دعوت کی اساس پر وجود میں آنے والی " حزب اللہ " کے نظم کی پابندی اور ڈسپلن کی پختگی کے لئے کسی اضافی عہد و پیمان یا قول و قرار کی ضرورت کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے کہ ہر انسان جونہی آپؐ پر ایمان لانے کا اعلان کرتا تھا گویا آپ کی کلی اطاعت کا اقرار بھی کرلیتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے باضابطہ اور باقاعدہ سمع و طاعت کی بیعت لی!

اس سے دو ہی نتیجے اخذ کئے جاسکتے ہیں ---

یعنی (i) یہ کہ سمع و طاعت کی اہمیت کو مزید اجاگر اور واضح کرنا مقصود تھا-- اور (ii) یہ کہ یہ در حقیقت آپؐ کے بعد قائم ہونے والی کسی بھی حزب اللہ کے لئے مستقل ہدایت و رہنمائی تھی کہ آئندہ کوئی نبی یا رسول تو نہیں آئے گا جس پر "ایمان" لایا جائے ' البتہ داعی حق اور خادم دین اٹھتے رہیں گے جن سے " بیعت سمع و طاعت"کا رشتہ استوار کر کے حزب اللہ کی تاسیس کی جاسکے گی!۔

بقیہ افتتاحیہ

ہوگیا ہے۔ اس سنگین حقیقت سے نظریں چرائی نہیں جاسکتیں جس کی طرف رجال دین کی توجہ نہیں ہوئی ۔ کیا یہ ایک عذاب کے بعد دوسرا عذاب نہیں جو ہم پر نازل ہوتا نظر آرہا ہے ۔ ایک پہلو اس سانحے کا یہ بھی عبرت انگیز ہے کہ اگر ہماری نیت نیک ہوتی تو اللہ تعالیٰ سود کی لعنت سے بچنے میں ہمارے لئے آسانیاں پیدا کردیتا لیکن ہم نے سرکشی اور بغاوت کا راستہ اختیار کیا اور حیف کہ اسی ذات باری نے اس راستے کو ہمارے لئے کھول دیا ۔ دین کا بنیادی فہم رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر دو طرح کے انسانوں کے لئے آسانیاں فراہم کرتا ہے ' ان کے لئے بھی جو اطاعت اور بندگی کی روش اختیار کریں اور ان کے لئے بھی جو سرکشی اور بغاوت پر اتر آئیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔○○

کیا جماعتِ اسلامی پاکستان
اپنی تاریخ کے تیسرے **بحران** سے دوچار ہورہی ہے؟
میاں طفیل محمد اور قاضی حسین احمد کا اختلاف نہ
بڑھاپے اور جوانی کا تصادم ہے نہ ہوسِ امارت کا شاخسانہ
بلکہ جماعت کے قدیم اساسی نظریات اور جدید سیاسی رجحانات کا تصادم ہے !
○ جماعت کے اساسی انقلابی نظریات کیا تھے ؟
○ ان میں تبدیلی کب اور کیسے شروع ہوئی ؟
○ جماعت کے پہلے بحران (۱۹۴۸ء) کی نوعیت کیا تھی ؟
○ دوسرے اور شدید تر بحران (۵۷-۵۶) کے اصل حقائق اور اسباب کیا تھے ؟ ---اور
○ جماعت کی اس تبدیلی نے اقامتِ دین کی تحریک کے علاوہ خود پاکستان کو کیا نقصان پہنچایا ؟
ان سوالات کے جواب ---- اور اس عظیم تحریک کو تباہی سے بچانے کے آخری موقع سے فائدہ اٹھانے کے لئے
ڈاکٹر اسرار احمد
کی حسب ذیل تصانیف کا مطالعہ لازمی ہے :
۱۔ تحریک جماعت اسلامی : ایک تحقیقی مطالعہ صفحات ۲۳۶
۲۔ تاریخ جماعت اسلامی کا ایک گمشدہ باب ۔ " ۳۲۸
۳۔ اسلام اور پاکستان۔ " ۹۸
تینوں کی مجموعی قیمت : سفید کاغذ پر مجلد :-/۱۶۰ روپے
اخباری کاغذ پر غیر مجلد :-/۱۰۰ روپے (محصول ڈاک -/۱۵ اس کے علاوہ)
مکتبہ انجمن خدام القرآن ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن ' لاہور
سے طلب فرمائیں یا تنظیم اسلامی کے مقامی دفاتر سے حاصل کریں
(نوٹ: وی پی صرف نصف رقم کا پیشگی آرڈر آنے پر ارسال ہوگا)

اب مسجدیں بھی آباد ہونے لگی ہیں

مجاہدین بوسنیا میں

اخذ و ترجمہ : سردار اعوان

گذشتہ جون میں مجاہدین کی آمد سے قبل تک بوسنیا کے مسلمان جو مشرق وسطیٰ سے اپنے دینی "بھائیوں" کی نسبت سرب اور کروٹ ہمسایوں سے زیادہ قریب تھے، اب مسجدوں کی طرف لوٹ رہے ہیں۔ مشرق سے آنے والے مجاہدین دینی تعلیم کے علاوہ ان کی فوجی مدد بھی کررہے ہیں۔ وہاں کے مسلمانوں کا کہنا ہے کہ "یہ بہت اچھے لوگ ہیں۔ ہمارے ملک میں لوگ جنگ سے کتراتے تھے اور یہ مجاہدین صرف ہماری مدد کے لئے یہاں آئے ہیں۔" ان میں کئی ممالک بشمول ترکی اور سعودی عرب، کے لوگ شامل ہیں جو اسلام کے لئے جنگ کررہے ہیں۔ "ہم ان کی بقاء کی جدوجہد میں مدد کرنا چاہتے ہیں کیونکہ اور کوئی بھی یہ کام نہیں کرے گا۔" یہ بات ایک خفیہ تربیتی مرکز کے راہنما، ابو عبدالعزیز نے "نیوز ویک" کے نمائندہ سے کہی جو ان سے بات چیت کے لئے وہاں پہنچا تھا۔

ایک دوسرے مجاہد کا جس نے اپنے ملک کا نام نہیں بتایا، کہنا تھا کہ اقوام عالم، اقوام متحدہ اور امریکہ نے بھی انہیں نظرانداز کردیا ہے۔ کسی کو تو بھاری اسلحہ سے لیس سربوں کے ہاتھوں بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح ہونے والے بوسنیا کے مسلمانوں کا خیال آنا چاہیے تھا۔ جو کچھ بھی مجھ سے بن پڑتا ہے وہ تو میں کر ہی ڈالوں۔

مسلمان مجاہدین حالیہ موسم گرما میں پہلے پہل اپنے آپ کو اخباری نمائندے ظاہر کرکے "ژانوک" کے علاقہ میں داخل ہونا شروع ہوئے اور آہستہ آہستہ زیادہ کھلے طور پر آنے لگے۔ کہا جاتا ہے کہ یہاں ان کی تعداد دو اور تین سو کے لگ بھگ ہے۔ اس کے علاوہ دو سو کے قریب جمہوریہ کے وسطی علاقہ میں بھی موجود ہیں۔ مجاہدین کے تربیتی مراکز میں جنگ سے ناواقف افراد کو دو ہفتہ کے لئے ہلکے ہتھیار استعمال کرنے کے علاوہ دین کی بنیادی تعلیم سے روشناس کرایا جاتا ہے اور آخری دو روز پندرہ اور بیس کے گروپ میں محاذ پر لے جاکر مشق کرائی جاتی ہے۔

سابق یوگوسلاوی فوج کے ایک کرنل "عامر رزوچ" جو "ژانوک" میں مسلمان فوج کے کمانڈر ہیں، کہتے ہیں کہ مشرق وسطیٰ یا ترکی سے جو لوگ یہاں کے مسلمانوں کی مدد کے لئے آرہے ہیں، انہیں کوئی بھی اس سے نہیں روک سکتا۔ چھیالیس سالہ عثمان سکک جو ایک بڑھئی ہے، کہتا ہے۔ "یہ لوگ بہترین جنگ جو ہیں"۔ مقامی سپاہی جو ان کے ساتھ جنگ میں شریک ہوئے ہیں، مجاہدین کی جوانمردی اور اللہ اکبر کہہ کر سرب فوجیوں کو دہشت زدہ کرنے کی صلاحیت سے از حد متاثر ہیں۔ "موت کا انہیں کوئی ڈر نہیں" بوسنیا کی فوج کے پلاٹون لیڈر، بائیس سالہ علیس بختاس نے جو فلسفہ کے طالب علم تھے، بتایا۔ "وہ تو آئے ہی شہادت کے لئے ہیں، ان کا واپس بھاگنے کا سوال ہی نہیں" اور شہادت ایک بہت بڑا رتبہ ہے

چھوٹے قصبات کے رہنے والے لوگ مجاہدین کی بڑی قدر کرتے ہیں اور ان کے بارے میں بڑی راز داری سے کام لیتے ہیں۔ ایک مقامی شخص بڑے اصرار کے ساتھ کہہ رہا تھا۔"یہاں کوئی مجاہد نہیں ہے" لیکن جب کبھی مجاہد کمانڈر عزیز اپنی نئی نسان گاڑی میں گاؤں سے گزرتا ہے تو سارا گاؤں اسے دیکھنے کے لئے باہر نکل آتا ہے اور بچے ہاتھ ہلا ہلا کر اس کا استقبال کرتے ہیں۔ لوگ اسے اپنے ہاں بلانے کی خواہش کا اظہار کرتے ہیں۔ عزیز کو بوسنیا آئے تین ماہ ہوئے ہیں مگر اس کے پاس لوگوں سے ملنے ملانے کا وقت نہیں۔ وہ سیدھا گاؤں کے باہر ایک کھیت میں گاڑی کھڑی کرکے نماز کے لئے پلاسٹک کے چپل

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

پریس ریلیز

علماء کے متفقہ فیصلے کو نظرانداز نہ کیا جائے۔(ڈاکٹر اسرار)

لاہور، ۲۸ ستمبر۔ حکومت کی مرزائیت نواز پالیسی کے خلاف آل پارٹیز مرکزی مجلس عمل، تحفظ ختم نبوت پاکستان نے ۱۴ر اکتوبر کو اسلام آباد میں احتجاجی مظاہرہ کرنے کا جو فیصلہ کیا ہے، تنظیم اسلامی پاکستان اس کی تائید کرتی ہے کیونکہ قومی شناختی کارڈ میں مذہب کے اندراج کے بارے میں علماء کے مختلف وفود کو صدر اور وزیراعظم پاکستان کی جانب سے کرائی گئی یقین دہانی کے باوجود حکومت جس بے عملی کا مظاہرہ کررہی ہے اس کے پیش نظر اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہ گیا کہ اس اہم مگر بے ضرر معاملے کی طرف حکومت کی توجہ مبذول کرانے کے لئے جو بھی طریقہ اختیار کیا جاسکتا ہے، کیا جائے۔ یاد رہے کہ شناختی کارڈ کے لئے درخواست کے فارم میں پہلے ہی مذہب کا خانہ موجود ہے۔

مزید برآں بیرون ملک قادیانی مراکز کا قیام اور ان کے معاندانہ رویہ کے پیش نظر اہم اور حساس ملکی عہدوں پر قادیانیوں کی تقرری ملکی سلامتی کے لئے خطرہ کا باعث ہوسکتی ہے۔ جبکہ پاکستان سے قادیانیوں کی وفاداری کبھی بھی شک و شبہ سے بالا نہیں رہی۔

امیر تنظیم اسلامی پاکستان، ڈاکٹر اسرار احمد نے حکومت سے اپیل کرتے ہوئے اس یقین کا اظہار کیا ہے کہ حکومت حقیقت پسندی سے کام لے گی اور علماء کے اس متفقہ فیصلہ کو نظرانداز نہیں کرے گی۔ ملک پہلے ہی طرح طرح کے بحرانوں میں گھرا ہوا ہے مزید کسی محاذ آرائی کو فروغ دینا ہرگز دانش مندی نہیں ہوگی۔

اور کیا اس میں کوئی مذہبی جذبہ کارفرما نہ تھا!

کھائی سے نکل کر ہم کنویں میں نہ جا گریں

نجات کی راہ صرف ایک ہے جسے اختیار نہ کیا گیا تو ملک ٹوٹ جائے گا۔

فضل کریم عاصم - ایم اے

مورخہ ۳ر ستمبر ۱۹۹۲ء کے ایک قومی روزنامے میں جناب اویس شیخ نے ایک مضمون لکھا جس کا عنوان تھا" پاکستان کے قیام کا مقصد - دو قومی نظریہ کی وضاحت"۔ اس میں مضمون نگار نے مختلف حوالوں اور قائداعظم کی بعض تقاریر کے اقتباسات سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ قیام پاکستان کی کوششوں میں کوئی مذہبی جذبہ کارفرما نہ تھا۔ قائداعظم پاکستان کو مذہبی ریاست نہیں بنانا چاہتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ مذہب کے معاملے میں فرقہ بازی کا مسئلہ کھڑا ہوگا - چنانچہ پاکستان سیاسی ' معاشرتی ' تمدنی اور اقتصادی وجوہ کی بنا پر وجود میں آیا - یہ مذہب اور دین کا مسئلہ جاگیرداروں ' وڈیروں اور موقع پرست سیاسی طالع آزماؤں نے کھڑا کیا ہے تاکہ مذہب کی آڑ لے کر اپنی سیاست بازی کو طول دے سکیں۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے فرمایا ہے کہ پاکستان کے ایک دانشور اور ایک نیم سیاسی مذہبی جماعت (غالباً" محترم ڈاکٹر اسرار احمد اور تنظیم اسلامی کی طرف اشارہ ہے - عاصم) عرصہ سے اس شعوری کوشش میں سرگرداں ہے کہ تحریک پاکستان کو مذہبی تحریک ثابت کیا جائے - اس کے نتیجے میں پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام کا شور و غوغا مچا رہتا ہے اور مختلف مکاتب فکر کے لوگ آپس میں الجھتے رہتے ہیں - ان کے خیال کے مطابق اس مذہبی رجحان کے باعث تعلیمی ' ثقافتی اور ادبی سرگرمیاں متاثر ہو رہی ہیں - اس لئے مذہب کو سیاست سے الگ رہنا چاہیے -

اس ضمن میں جناب اویس شیخ اور ان جیسے دیگر سیکولرزم کے پرچارک حضرات کی خدمت میں چند گزارشات پیش کرنا مطلوب ہے۔ جناب اویس شیخ اور ان کے ہم خیال حضرات کی قابلیت ' وسیع تجربہ اور فہم و ادراک کے مقابلے میں راقم کی حیثیت طفل مکتب سے زیادہ نہیں - انہیں سمجھانا سورج کو چراغ دکھانے کے برابر ہے لیکن بقول علامہ اقبال

انداز بیاں گرچہ بہت خوب نہیں ہے
شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات

(۱) حصول پاکستان میں سب سے کامیاب اور موثر نعرہ جو لگایا گیا وہ "پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ ہی تھا۔ ایک معمولی سمجھ بوجھ کا آدمی بھی بخوبی جان سکتا ہے اور جانتا ہے کہ اس کا مطلب کیا ہے اور اس وقت کیا تھا۔

(۲) قائداعظم کی مدبرانہ قیادت اور دیگر مسلم زعما کی انتھک کوشش سے پاکستان معرض وجود میں آیا لیکن ان راہنماؤں کی کامیابی ان کروڑوں مسلمانوں کی مرہون منت بھی ہے جنہوں نے قائداعظم اور ان ساتھیوں کی آواز پر لبیک کہا۔ ان مسلمانوں میں زیادہ تر ایسے تھے جو دیہاتی' ان پڑھ اور سیاسی' تمدنی اور معاشرتی اقدار کی ابجد سے بھی ناواقف تھے - آگاہ تھے تو صرف اس چیز سے کہ ہم مسلمان ہیں اور ہمارا دین خطرے میں ہے - خود راقم کے آباء و اجداد اور اعزہ جو تحصیل اجنالہ کے دیہاتوں میں آباد تھے اور صدیوں سے آباد تھے ' کسی بھی معاشی ' سیاسی ' تمدنی یا سماجی خلجان کے زیر اثر نہ تھے - لیکن جب ان کے کانوں میں یہ پیغام پہنچا کہ پاکستان کے نام پر ایک ایسی اسلامی ریاست بننے والی ہے جہاں قرآن و شریعت کی حکومت ہوگی تو وہ آباؤ اجداد کی جنم بھومی اور گھروں کا سکھ تج دینے پر تیار ہوگئے - مسلمانوں کے اس جذبے کے نتیجے میں مسلم لیگ کو دسمبر ۱۹۴۵ء میں مخصوص نشستوں پر اور فروری ۱۹۴۶ء میں صوبائی نشستوں پر شاندار کامیابی حاصل ہوئی -

(۳) ۱۹۲۹ء میں غازی علم الدین شہید کے ہاتھوں شاتم رسولؐ کا جہنم واصل ہونا اور اس پر ہندوانہ ذہنیت کا شور و غوغا ظاہر کرتا ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کو دوسرے تمام مسائل سے زیادہ مذہبی مسئلہ درپیش تھا - شدھی اور سنگھٹن کی تحریکیں بھی اس حقیقت کا منہ بولتا ثبوت ہیں - پھر ۱۹۳۷ء میں اسمبلیوں میں کانگریس نے نمایاں کامیابی حاصل کر کے جن چھ بڑے صوبوں میں وزارتیں قائم کیں وہاں مسلمانوں کو مذہبی طور پر اپاہج کرنے کی کوشش کی گئی - مسلمانوں کے لئے مسجدوں میں نماز ادا کرنا مشکل ہوگیا۔

(۴) یہ نظریہ کہ قائداعظم پاکستان کو مذہبی ریاست نہ بنانا چاہتے تھے ' بڑی مضحکہ خیز سی بات ہے۔ قائداعظم مذہبی راہنما یا کوئی عالم دین نہ تھے - وہ سیاسی راہنما تھے۔ ان میں سیاسی تدبر' سوجھ بوجھ اور قانونی باریکیوں کو سمجھنے کی بصیرت تھی اور وہ اسی پلیٹ فارم سے ہندو اور انگریز کا مقابلہ کر رہے تھے - اسلامی اقدار ' فقہ ' حدیث اور قرآنی تعلیمات کے ذریعے نہ ہندو اور انگریز سے مقابلے کی ضرورت تھی اور نہ ایسا کیا گیا - بہت

"روداد زندگی"

پروفیسر اسرار احمد سہاوری کے غیر روائتی افسانوں کا مجموعہ

جناب اسرار احمد سہاوری بطور شاعر تو ہمارے قارئین کے لئے اجنبی نہیں' تاہم ان میں سے کم ہی یہ بھی جانتے ہوں گے کہ سہاوری صاحب کا تعلق ادب اسلامی کے اس ہراول دستے سے ہے جس نے پاکستان میں نام نہاد ترقی پسندی کے مقابلے میں ادب کا ایک محاذ کھولا اور ثابت کیا تھا کہ مسلمان منبرو محراب ہی سے اپنے دین کا پیغام قال اللہ وقال الرسولؐ کے حوالے سے نشر کرنے کا مکلف نہیں' معروف اصناف سخن میں اسی تہذیب و ثقافت کو پیش کرنے کی اہلیت بھی رکھتا ہے جسے اس نے اسلام کے حوالے سے اپنایا اور اپنائے رکھنے کا خواہش مند ہے۔ کچھ عرصہ یہ محاذ خاصا گرم رہا' اب دونوں طرف ہے آگ برابر بجھی ہوئی۔ شاید اس لئے کہ ترقی پسند ادیبوں نے دیکھ لیا ہے کہ ہمارے کام کو آگے بڑھانے والے تو بہت ہیں اور ہر جہت سے معاشرے پر یلغار کررہے ہیں' ہم کیوں خوامخواہ کے شور و غل کے ذریعے اپنے دشمنوں کو بیدار رہنے پر مجبور کریں۔ اور جارحیت کا یہ عمل بظاہر ست ہوا تو رد عمل نے بھی لمبی تان لی۔

یہ پرانی باتیں اسرار احمد سہاوری صاحب کے افسانوں کے مجموعے "روداد زندگی" کو وصول کر کے پڑھنے کے بعد نوک قلم پر آگئی ہیں ورنہ اب ان کو دہرانے سے حاصل کیا! اس میں انہوں نے اپنے سترہ (۱۷) افسانوں' ایک خاکے' ایک انشائیے اور فارسی سے ترجمہ کی ہوئی قصہ چہار درویش کی طرح کی ایک طنزیہ کہانی کو جمع کیا ہے جنہیں پیش کرتے ہوئے وہ یہ دعوٰی کریں تو بجا ہے کہ یہ افسانے انہوں نے بزعم خود ترقی پسند اور اشتراکی افسانہ نویسوں کے اس چیلنج کے جواب میں لکھے تھے (اور تین تین چار چار بار متعدد جرائد میں بتکرار شائع ہوچکے ہیں) کہ بغیر عورت' جنس اور جنس کے استحصال کے افسانے میں دلچسپی پیدا ہی نہیں کی جاسکتی۔ چنانچہ "روداد زندگی" کے ۱۷۶ صفحات پر پھیلی ہوئی ان کی تحریروں میں زندگی اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ اور جنس سمیت ان سب جذبوں کے جلو میں چلتی پھرتی نظر آتی ہے جو ایک صحت مند دل و دماغ رکھنے والے انسان میں اپنی اپنی جگہ متوازن عمل دخل رکھتے ہیں۔ پھر ان افسانوں میں ان کے وطن مالوف کے ثقافتی موسم کا وہ رنگ اور وہ خوشبو بھی موجود ہے اب دیکھنے کو جس کے آنکھیں ترستیاں ہیں اور دماغ جس سے آشنا نہیں رہے۔ وہ گھر بیٹھے ہمیں علی گڑھ اور وسطی ہند کے بعض علاقوں کے اس ماحول میں لے گئے ہیں جو وہاں بھی اب شاید ہی پایا جاتا ہو۔

سفید کاغذ اور مضبوط و مزین جلد کے ساتھ مناسب کتابت و طباعت میں یہ کتاب خود پڑھنے' اپنے اہل و عیال کو پڑھنے کے لئے پیش کرنے اور ذاتی لائبریری میں رکھنے کی چیز ہے۔ اسی (۸۰) روپے قیمت بظاہر زیادہ ہے لیکن قیمتوں کے مروجہ پیمانے سے دیکھیں تو یہ ایسا مہنگا سودا بھی نہیں تاہم ناشر نے ایک سہولت یہ دی ہے کہ بذریعہ منی آرڈر ترسیل زر کے ساتھ اگر کتاب براہ راست اس سے منگائی جائے تو بک پوسٹ کا خرچ بھی خود ہی کرے گا اور قیمت میں چالیس فیصد رعائت بھی ہوگی۔ گویا اڑتالیس (۴۸) روپے میں یہ کتاب آپ کے ہاتھ میں پہنچ جائے گی۔ فروغ ادب اکادمی' ۱۰۸ بی سیٹلائیٹ ٹاؤن گوجرانوالہ سے طلب کی جائے -- (مدیر)

سے ممتاز علمائے دین نے تحریک پاکستان کا ساتھ نہ دیا تو اس کا ان کے پاس معقول جواز تھا چاہے عامتہ الناس کو اس نے اپیل نہ کیا ہو۔ رہا ملائیت کا مخالفانہ رویہ تو علمائے سوء ہر دور میں رہے ہیں۔ آج بھی ہیں' قیام پاکستان کی جدوجہد کے وقت بھی تھے اور اس سے پہلے بھی۔ دوسری طرف مولانا شبیر احمد عثانی کی قیام پاکستان میں جدوجہد کو کیسے نظر انداز کیا جاسکتا۔

بے شمار دینی جماعتیں پاکستان بنانے میں مد ثابت ہوئیں۔ قیام پاکستان اور مسلم لیگ کی مخالف زیادہ جماعتیں ایسی بھی تھیں جن کا اسلامی نظام سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔

(۵) قیام پاکستان کے فوری بعد قوم کا کیا رجحان تھا اور اس کے سامنے کیا مطمع نظر تھا' اسے مارچ ۱۹۴۹ء میں پاس ہونے والی قرار داد مقاصد کے تناظر میں اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہے۔ جن لیڈروں اور جس قوم نے سیکولر قسم کی مملکت کے لیے سالہاسال تک جدوجہد کی تھی اسے کیا کسی بیرونی طاقت نے مجبور کردیا تھا کہ پاکستان بنتے ہی ایک ایسی قرار داد پر اتفاق کریں جو خالص اسلامی نظام' نفاذ شریعت اور اللہ کی حاکیت کی عکاسی کرتی ہو اور جسے آئندہ بننے والے آئین کی اساس کی حیثیت حاصل ہو۔

(۴) جہاں تک مذہبی فرقہ پرستی کا تعلق ہے تو ایک حقیقت ہے کہ ارباب اقتدار کے پاس خوئے بدرا بہانہ بسیار کے مصداق یہ ایک ایسا ہتھیار رہا جسے انہوں نے پچھلے ۴۵ برسوں میں کامیابی سے استعمال کیا۔ کوئی فرقہ بھی قرآن و شریعت کے واضح احکام کا منکر نہیں۔ اگر کچھ ہے تو بہت نچلے درجے کے فروعی اختلافات جنہیں کوئی بھی نیک نیت حکومت سلجھا سکتی تھی۔ سود کی حرمت' فحاشی کا اختتام' شراب' رشوت' جوا اور لوٹ کھسوٹ کا استیصال' مہنگائی اور بیکاری کا خاتمہ' جاگیرداری اور دولت پرستی کی بیخ کنی ایسے مسائل ہیں جن سے کسی بھی فرقے کے مسلمان کو اختلاف نہیں ہوسکتا ---- اور ایک اسلامی نظام ہی ان تمام منکرات کا خاتمہ کرسکتا ہے۔ خلفائے راشدین کے وقت یہ خرابیاں نہ تھیں اور پاکستان میں خلافت کے جس نظام کے احیاء کی جدوجہد ہورہی ہے وہی اس طوفان عصیاں کا راستہ روک سکتا ہے۔

آخر میں عرض ہے کہ اویس شیخ صاحب جس دانشور اور نیم سیاسی مذہبی جماعت کی طرف اشارہ کررہے ہیں وہی لوگ تو جاگیرداری اور معاشی لوٹ کھسوٹ کے خلاف جہاد کررہے ہیں تاکہ یہاں قرآن و شریعت کی حکومت ہو اور لوگوں کے معاشی' سیاسی' معاشرتی' تمدنی' اور اخلاقی حالات سدھر سکیں۔

حقائق وواقعات
پر مشتمل
ڈاکٹر اسرار احمد
کی اہم تالیف
تاریخ جماعت اسلامی
کا ایک گمشدہ باب
شائع ہوگئی ہے۔ بڑے سائز کے ۳۲۸ صفحات
سفید کاغذ — مضبوط لیمینٹڈ جلد' قیمت ۸۰/-
مکتبہ
تنظیم اسلامی
مرکزی دفتر

چند ہزار یہودیوں کے لئے ۳۹ "سناگاگ"...
تھوڑے سے عیسائیوں کے لئے ۱۳۵ گرجے

وقت کی ایک کروٹ کیا قیامت ڈھا گئی!

کوئی رسمی تعلق نہ ہونے کے باوجود حکومت نے کنونشن کو سرکاری پروٹوکول دیا

افتخار احمد

استنبول میں ہمارا پہلا دن' رات کے دامن میں پناہ لے چکا تھا اور پچھلے چوبیس گھنٹوں کی پر آسائش بے آرامی کے بعد ہمیں جلد سوجانا چاہیے تھا لیکن سونے کے لئے لیٹتے لیٹتے خاصی دیر ہوگئی ۔ میزبان "امرکی" دوستوں سے اپنے کمرے میں ایک نشست کے دوران مشورہ ہوا کہ تنظیم اسلامی اور تحریک خلافت پاکستان کا جو تھوڑا بہت لٹریچر ہم ساتھ لائے ہیں' اس کا بہترین استعمال کیا اور کیسے ہو--- انہیں رخصت کر کے ہم سونے کے لئے دراز ہوگئے ۔ باسمک ربی اموت و احیٰی .... لیکن نیند کی دیوی اتنی مہربان ثابت نہ ہوئی ۔ طبیعت میں عجیب سی بے کلی تھی ۔ ایک جاندار مسلمان قوم کے حالات کی پہلی جھلک نے کم سے کم مجھے تو بہت مایوس کیا تھا جس پر ہماری طرح کی غلامی کا ایک دن بھی نہیں گزرا۔ استنبول نے جو اسلا مبول تھا' اس سے پہلے قسطنطنیہ اور اس سے بھی پہلے کونسٹائی پول جس کے رومن بادشاہ کونسٹن ٹائن اول نے پہلے تو اس کی اینٹ سے اینٹ بجائی اور پھر روم ثانی کے طور پر تعمیر جدید کی تھی اور اسی رعائت سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کا ذکر "قیصر کے شہر" کے طور پر کیا' ترکی کی کل آبادی کے لگ بھگ پندرہ فی صد کو اپنے نشیب و فراز میں سمیٹ رکھا ہے۔ یہاں سے خلافت کے ادارے کو ختم ہوئے بھی صرف اڑسٹھ (۶۸) سال ہوئے ہیں جو انحطاط کے آخری درجے پر پہنچ جانے کے باوجود پوری عیسائی دنیا کے دل میں کانٹے کی طرح کھٹکتا تھا۔ اس مدت کو تو وقت کی ایک کروٹ بھی نہیں کہا جاسکتا لیکن ہم پر یہ کیسی قیامت ڈھا گئی ۔ اب ہمارا یہ "دارالخلافہ" اہل مغرب کے لئے ایک مرکز سیاحت ہے' ٹورسٹ ریزارٹ جہاں وہ ہماری عظمت رفتہ کے آثار دیکھنے آتے اور یہ اطمینان لے کر جاتے ہیں کہ ایک فاتح قوم مارے موت کے از خود ہمیشہ کے لئے مفتوح ہوچکی ہے' اب کبھی سر نہ اٹھا سکے گی۔ عام انسانوں پر یہ بات منطبق نہ ہوتی ہو تب بھی مسلمانوں کے لئے قاعدہ کلیہ ہے کہ وہ آسمانی ہدائت کے لئے اوپر دیکھنا چھوڑ دیں تو نگاہیں زمین میں گڑ کر رہ جاتی ہیں ۔ پستی کے دوسرے ہم جنس مکینوں کی طرح ہمیں پستیوں میں رفعتیں تلاش کر لینے کا فن آیا ہے نہ آئے گا۔ کمرے میں اب خاموشی کا راج تھا' قدموں کی وہ ہلکی چاپ بھی آنی بند ہوگئی تھی جو اپنے کمروں کی طرف رخ کرتے مسافر تھوڑی دیر پہلے تک راہداری کے قالین کو روندتے ہوئے پیدا کرتے تھے۔ اے دل تو بھی خموش ہوجا' پہلو میں غم کو لے کے سو جا!۔

میں صبح کو الارم کی مدد سے اٹھنے کا عادی ہوں اور اگرچہ اب بالعموم ہوتا یہ ہے کہ نیم بیداری کے عالم میں اس کی آواز سے صرف اس توثیق کا انتظار ہوتا ہے کہ مہلت عمر ختم نہیں ہوئی بلکہ ایک اور شب کی سحر ہوگئی ہے' لیکن اپنے مخصوص ماحول سے کٹ کر اور معمول سے ہٹ کر نیند کی آغوش میں گیا تھا' پھر یہ بھی خیال نہ رہا کہ روم سروس کو "ویک اپ کال" یعنی جگانے کے لئے فون کرنے کی ہدایت ہی دے دوں لہٰذا کیا عجب کہ نماز قضا ہوجاتی لیکن برادر محترم کی ایک ہی ہلکی سی پکار پر آنکھ کھل گئی ۔ وہ وضو کے بعد اپنے سفری کنگھے سے سر کے بالوں کو سمیٹ رہے تھے اور غسلخانہ میرے لئے فارغ تھا۔ گویا یہ اکھاڑ ان کے معمولات کو پچھاڑنے میں کامیاب نہ ہوا--- میں تیار ہو کر ان کے ساتھ لفٹ کے ذریعے نیچے پہنچا تو ہم ہوٹل کی بال روی "مسجد" میں "رقص صلواۃ" کے لئے داخل ہونے والے اولین نمازی تھے اور فجر کی سنتیں ادا کرنے کے لئے ہمارے پاس کھلا وقت تھا تاہم سلام پھیرا تو کئی دوستوں کو آس پاس نماز پڑھتے پایا اور مقررہ وقت پر یعنی پانچ بجے جماعت کھڑی ہوئی تو نو دس مردوں کی چار پانچ قطاروں سے ذرا پیچھے خواتین کی دو صفیں بھی موجود تھیں ۔ برادر محترم نے دو رکعتوں میں کراری آواز کے ساتھ درمیانی لمبائی کی قراءت کی اور پھر تذکیر بالقرآن کا اصل مقصد آدھے گھنٹے کے بیان کے ذریعے حاصل کیا جو ظاہر ہے کہ اس موقع پر انگریزی کے استعمال کے بغیر ممکن نہ تھا۔ انہوں نے منتظمین سے درخواست کی کہ آئندہ یہاں بھی ساؤنڈ سسٹم کا انتظام کیا جائے تاکہ گفتگو کرتے ہوئے یہ اطمینان حاصل رہے کہ ان کی بات سب تک پہنچ رہی ہے ۔ میرے بھائی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی کمزوری یہ ہے کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں اس کے پورے پورے ظاہری اور معنوی ابلاغ کی راہ میں کسی رکاوٹ کو حائل دیکھنا پسند نہیں کرتے' جو بھی کہتے ہیں پورے اعتماد سے اور قلب و ذہن کی مکمل یکسوئی کے ساتھ کہتے ہیں ۔ یہ عطیہ خداوندی ہے اور قرآن مجید سے خالص ذاتی بلکہ نجی ربط کا اس دنیا میں نقد انعام!۔ یہ اس کی دین ہے' جسے پروردگار دے ۔ اللہ کی شان ہے' ایک ماں باپ کے ہم دو بیٹے' میں چار ساڑھے چار چھوٹا ہی تو ہوں لیکن اس معاملے میں ان سے اپنا موازنہ کروں تو کہاں راجہ بھوج کہاں گنگو تیلی کی کہاوت یاد آتی ہے ۔ میں کیا کوئی قصیدہ گوئی کرنے بیٹھ گیا ہوں؟۔ میری کونسی دنیاوی غرض ان سے تعلق کے ساتھ اٹکی ہوئی ہے؟۔ نہیں آج تک تو الحمد للہ' ایسا نہیں ہے اور جنرل نجیب کے دست راست (پھر کرنل ناصر کے کیو ایم جی اور بعد میں وزیر پیداوار) مصری جنرل فتحی رزق کو بھی اس وقت میری خوشامد سے کیا لینا تھا جب انہوں نے برادر محترم کی کتاب "مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق" کا یکے بعد دیگرے انگریزی اور عربی ترجمہ ایک ہی نشست میں پڑھنے کے بعد بے اختیار کہا تھا کہ میں نے بھی ناصر کی

مہربانی سے فراغت پانے کے بعد دینی لٹریچر کا گہرا مطالعہ کیا ہے' چنانچہ پورے اعتماد سے یہ دعویٰ کر سکتا ہوں کہ جس شخص نے یہ کتاب لکھی ہے' اسے اللہ عزو جل کبھی گمراہ نہیں ہونے دے گا!۔

کمرے میں واپس پہنچ کر برادر محترم تو نیند کی ایک اور جھپکی لینے کے لئے بستر میں گھس گئے اور میں نے کھڑکی کے ایک کونے سے پردہ ہٹا کر اقبال کی ہدایت" مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ" پر عمل کیا۔ عظیم الشان معلق پل کے پیچھے خوبصورت پست پہاڑیوں کی اوٹ سے سورج ایشیائی افق پر شفق کھلا رہا تھا۔ ہماری کھڑکی ذرا آڑی تھی' کیمرے کو نکال کر تیار کرنے میں وقت بھی لگتا جس کے دوران اس منظر کے محو ہوجانے کا واضح امکان تھا جسے میں محفوظ کرنا چاہ رہا تھا لہٰذا روپہلی کرنوں سے آنکھیں ہی سینک کر میں نے بھی کچھ اور دیر سو لینے میں عافیت سمجھی۔ ساڑھے آٹھ بجے کے قریب جاگے اور واجبی سی تیاری کے بعد نیچے مرمرہ ہوٹل کے اپنے کئی ریستورانوں میں سے ایک میں پہنچے جس کی طرف "آئی ایم اے کونشن" کے نشان نے ہماری رہنمائی کی تھی تو یہاں "بفے" ناشتے کے نام پر ایک چمن آراستہ تھا۔ پھول کھلے ہیں گلشن گلشن' لیکن اپنا اپنا دامن۔ ہوٹل کے کرائے میں "بیڈ" کے علاوہ "بریک فاسٹ" شامل تھا۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے تو مشروبات و ماکولات کی درجنوں اقسام سامنے سجی ہوئی تھیں' ایک سے ایک دلکش ... شکل و صورت میں بھی اور کھانے کے بعد پتہ چلا کہ ذائقے میں بھی ... ایک سے ایک وافر۔ جتنا جی چاہے لیجئے اور جتنی بار ضرورت محسوس ہو' بلا جھجھک اٹھ کر پیالہ یا پلیٹ بھر لائیے۔ ویٹر اس انتظار میں رہتا ہے کہ میز پر آکر آپ کھانا شروع کریں تو ساتھ رکھے ہوئے کپ کو حسب خواہش چائے یا کافی سے بھردے اور خالی ہونے پر ہربار پھر سے بھرتا رہے یہاں تک کہ آپ اس کا ہاتھ ہی پکڑ لیں کہ بھائی' بس کرو۔ بفے ناشتے کے تجربات جرمنی اور امریکہ کے ہوٹلوں اور موٹلوں میں بھی ہوئے۔ وہاں بھی فراوانی تو دیکھی لیکن اتنا تنوع موجود نہ تھا۔ اور ہاں ہمارے ہاتھ بھی تو بندھے ہوتے تھے... لندن میں ایک دفعہ کے استثنیٰ کے سوا درمیانے سے ہوٹلوں میں گزارا کیا اور اٹلی والے اتنا ظرف نہیں رکھتے البتہ چین میں جب گیا' وہاں ناپ تول کا پرانا نظام ہی چل رہا تھا۔ مرمرہ کے اس ناشتے میں خوب کھایا لیکن پھر بھی بہت سی چیزیں چکھنے کی حسرت رہ گئی کہ پیٹ تو آخر اپنا تھا' یار زندہ "صحبت" باقی!۔ یہیں ناشتے کی میز پر ایران کے جناب ڈاکٹر ابراہیم یزدی سے پہلی ملاقات ہوئی جنہیں ڈاکٹر خورشید ملک برادر محترم کا تعارف کروانے کے بعد ہمارے پاس چھوڑ گئے تھے۔ پہلی ہی ملاقات میں وہ گھل مل گئے جیسے برسوں سے جانتے ہوں اور بڑی تفصیل سے باتیں ہوئیں۔ ان سے متعدد ملاقاتیں اور بھی ہوئیں جن کا ایک ہی دفعہ ذکر کرنا مناسب ہوگا۔

چاہتے تو ناشتے کے بعد سیرسپاٹے کے ایک پروگرام میں شریک ہوسکتے تھے جس میں ایک مقامی بازار سے خریداری بھی شامل تھی لیکن ہم خریدار نہیں تھے تو بازار سے گزرنے کا تکلف بھی کیوں روا رکھتے۔ بعد دوپہر کونشن کا افتتاحی اجلاس تھا جس سے پہلے ہم نے اپنے کمرے میں دوستوں سے ملاقاتوں کو ترجیح دی۔ ایک ضروری کام ہمیں اور بھی کروانا تھا۔ کمرے کے فرج کو گزشتہ سہ پہر پانی کی تلاش میں کھولا تو وہاں ہماری پیاس بجھانے کو دو چھوٹی مہربند بوتلیں بھی موجود تو تھیں لیکن اس کے علاوہ دنیا جہان کا الا بلا بھرا ہوا تھا اور اتنا زیادہ کہ دروازہ بند کرنا دو بھر ہوگیا۔ کوکا کولا' اورنج' لیمن' کھاری سوڈا' بیر کے ادھے اور ڈبے' سرخ و سفید شراب' وہسکی' ڈرائی جن' شمپین' ووڈکا اور نہ جانے کیا کچھ۔ وہسکی کی کتنی ہی قسمیں چھوٹی چھوٹی بوتلوں میں تھیں جس کے ساتھ غالباً" بادام اور مونگ پھلی کی گریاں چبائی بھی جاتی ہیں۔ ان کی بھی کئی چھوٹی چھوٹی سیل بند اور نمی سے محفوظ تھیلیاں تھیں' خوبصورت بلوریں جام بھی تھے۔ ہم نے روم سروس سے آدمی بلا کر اپنے فرج کو گند سے پاک کروایا اور اس میں پانی کی زیادہ سے زیادہ بوتلیں رکھنے کا مطالبہ کیا جو ہمارے پورے قیام کے دوران کبھی پورا نہ ہوا تاآنکہ ڈاکٹر طارق چیمہ نے ہمیں ایک بڑی بوتل بازار سے لا کر دی کیونکہ وہاں تو ہر صبح محض خالی ہوجانے والی ہوٹل کی اپنی بوتلوں کی جگہ نئی بوتلیں رکھنے کا رواج تھا جن میں فی کس پانی کی بھی ایک ہی چھوٹی بوتل حصے میں آتی ہے۔ اس سپلائی والی ٹرالی کے ساتھ آنے والے ملازم کے سوا جو دروازے پر دستک دے کر فرج کا جائزہ لیتا تھا' کمروں کی صفائی اور چادریں تولئے وغیرہ بدلنے کے کام پر سو فی صد لڑکیاں تعینات تھیں جو دن بھر مصروف رہتیں۔ ہمارا ان سے کبھی آمنا سامنا نہ ہوا کیونکہ ہم دروازے پر "مخل نہ ہوں" کا نشان آویزاں رکھتے اور باہر جاتے ہوئے اس کا رخ بدل دیتے تھے "کمرہ صاف کردیا جائے" --- مغرب میں یہ کام زیادہ تر معمر عورتیں کرتی ہیں جن کے چہروں پر بڑی مشفقانہ مسکراہٹ سجی رہتی ہے' یہاں لڑکیاں تھیں لیکن سادہ سی' کسی میک اپ کے بغیر۔ عجب نہیں کہ سکول و کالج کی طالبات بھی ان میں شامل ہوں کیونکہ چھٹیوں کے دن تھے۔

دوپہر کے کھانے کے لئے ہم دونوں بھائی پہلوان کے ریستوران میں پہنچے کہ اس کے بعد ظہر اور عصر کی جمع صلاتین کر کے کونشن کے افتتاحی اجلاس میں شرکت کرنی تھی۔ یہ نمازیں ہم نے اس شکستہ مسجد کے تقریباً ویران متبادل کمرے میں زینہ چڑھ کر ادا کیں جس کا ذکر پہلے آچکا ہے اور جہاں جوتے رکھنے کے لئے باقاعدہ لاکر البتہ بنے ہوئے تھے' جوتے لاکر میں اور اس کی چابی جیب میں رکھ کر ہی آپ اطمینان سے اللہ کے حضور میں سجدہ ریز ہوسکتے تھے۔ یہ بہر حال ایک اچھا اور صاف ستھرا انتظام تھا کیونکہ وہ مسئلہ تو درپیش نہیں رہا کہ اپنے جوتوں سے رہیں سارے نمازی ہوشیار۔ ریستوران میں کھانا کھاتے ہوئے ایک پرسوز اذان کی آواز کان میں پڑی تھی جس کی کشش ہمیں اس مسجد میں لے گئی لیکن شاید کھانا ختم کرنے میں دیر ہوگئی تھی کہ وہاں پہنچے تو صرف ایک نمازی واپس جاتا ملا۔ نہیں کہہ سکتے کہ وہاں ظہر کی جماعت ہوئی بھی تھی یا نہیں۔

اب ہم آئی ایم اے کونشن کے افتتاحی اجلاس میں شرکت کے لئے تیار تھے۔ بال روم فلور پر واقع بڑے ہال میں سلیقے سے سٹیج بنائی گئی تھی اور حاضرین کی نشست کا وسیع انتظام تھا۔ وقت مقررہ پر مندوبین نے اپنی نشستیں سنبھال لیں' برادر محترم کو پہلی صف میں بٹھایا گیا اور میں نے بہت پیچھے نسبتاً" سنسان علاقے میں ایک کرسی پر قبضہ کیا تاکہ ذرا پھیل کر بیٹھوں۔ مردوں نے بلا استثنیٰ مغربی لباس زیب تن کر رکھا تھا جس میں اس رسمی اجلاس کے لئے ٹائی کا اضافہ ضروری سمجھا گیا جبکہ اکثر خواتین نے حسب معمول پہننے اوڑھنے اور بننے سنورنے میں ایک دوسرے کو پیچھے چھوڑنے کی کوشش کی تھی۔ بس ہم دو بھائی الگ سے پہچانے جاتے تھے۔ ایک سی سیاہ قراقلی ٹوپی' شیروانی اور سفید شلوار میں ملبوس اور تقریباً یکساں سفید داڑھیوں کے ساتھ ہم فوٹوگرافروں کی توجہ کا مرکز بن گئے جن کے غول کے غول سٹیج کے قریب تھے اور حاضرین کی صفوں میں بھی بکھرے ہوئے تھے اور خاص طور پر طرحدار خواتین کی تصاویر مختلف زاویوں سے کھینچنے میں مصروف تھے جو وہاں سوشل اور فیشنی جرائد کی زینت بنی ہوں گی کیونکہ اگلے دن کے اخبارات میں تو نظر نہیں آئیں۔ برادر محترم تو اگلی صف میں ہونے کی وجہ سے ویڈیو کیمرے اور سٹل کیمروں کی زد میں تھے ہی' ایک خاتون فوٹوگرافر نے دور سے مجھے تاڑا اور قریب آکر میری تصویر بنائی جس کی دیکھا دیکھی دو اور نوجوانوں نے بھی مجھے اپنے کیمرے میں قید کیا لیکن مجھے ان کا یہ اشتیاق پسند نہ آیا اور میں نے ان کی طرف سے اشارے کے باوجود کیمرے کی طرف دیکھنے کی بجائے رخ پھیر لیا تھا۔

اگلے روز کونشن ہال کے دروازے کے ساتھ ایک میز پر گزشتہ شب لی جانے والی تصویریں برائے فروخت رکھی تھیں۔ یہ نرالا دستور دیکھا اور محسوس ہوا کہ "ٹورسٹ انڈسٹری" یہاں بھی بالکل مغرب کے انداز میں ترقی کے مراحل طے کررہی ہے۔ اٹلی کے شہر

میلان میں دنیا کے خوبصورت ترین عظیم الشان گرجے "دوامو" کے سامنے فوارے والے چوک میں کبوتروں کا وہ ہجوم ہوتا ہے جو لندن کے ٹرافلگر سکوئر میں بھی نہ تھا۔ اس چوک میں داخل ہو کر کوئی بھی مرد و زن یا بچہ ذرا سی دیر بھی رک کر کھڑا ہو جائے تو چار پانچ کبوتر اس پر آکر بیٹھ جاتے ہیں۔ کچھ کندھوں پر اور ایک آدھ سر پر بھی۔ وہاں تیار کیمرے لئے گھومنے والے درجنوں فوٹو گرافر اس تاک میں ہوتے ہیں کہ کبوتروں کی سواری بننے والا یا والی کوئی سیاح تو نہیں اور ان میں سے کوئی نہ کوئی آکر جھٹ پٹ اس کی دو تین تصویریں لے کر ایک کارڈ اس کے ہاتھ میں تھما دیتا ہے۔

میرے ساتھ بھی وہاں یہی کچھ ہوا تھا۔ ایک فوٹو گرافر نے میری دو تصویریں کھینچ کر ایک کارڈ سراپا التجا بن کر یہ کہتے ہوئے پیش کیا۔ "سینورے! میں نے آپ کی یادگار تصویریں بنائی ہیں۔ یہ سامنے والی گلی میں ہماری دکان ہے۔ آپ کا دوبارہ یہاں سے گزر ہو تو لینا نہ بھولئے گا!" مجھے قطعاً" اشتیاق نہ تھا لیکن وہ کم بخت اپنے فن میں اس قدر ماہر ہیں کہ آدمی ان کے چکر میں آ ہی جاتا ہے۔ دو دن بعد دوامو کے قریب سے گزرا تو قدم خود بخود اس دکان کی طرف اٹھے اور کئی ہزار اطالوی لیرے میری جیب کو داغ مفارقت دے گئے تھے۔ یہاں بھی یہی ہوا۔ میز کے ساتھ جو خاتون کھڑی تھیں، انہوں نے مجھے پہچاننے میں دیر نہ لگائی اور فوراً میری تصویر اٹھا کر پیش کردی۔ "صرف پانچ ڈالر" جو ۳۵ ہزار ترکی لیرے بنتے تھے۔ میں نے جان چھڑانے کو کہا۔ "میری جیب میں تو صرف ۲۵ ہزار لیرے ہیں"۔ "لائیے، آپ بھی کیا یاد کریں گے" اور لفافے میں ڈال کر تصویر میرے حوالے کردی۔ اب کیا عذر کرتا۔ وہ تصویر ان صفحات میں چھپ سکی تو چہرے پر ناگواری کے تاثرات تو آپ بھی دیکھ ہی لیں گے۔

یہ تماشا چل رہا تھا کہ اتنے میں ذرا ہلچل سی ہوئی اور سب سٹیج کی طرف دوڑے جہاں بغلی دروازے سے استنبول کے گورنر آئی ایم اے کے صدر شامی القنسل امریکی ڈاکٹر احمد مراوید اور کنونشن چیئرمین ہمارے پاکستانی نژاد امریکی دوست ڈاکٹر طور کے جلو میں نمودار ہو رہے تھے۔ ہٹو بچو کے کسی شور کے بغیر ترکی کے عام مغربی لباس میں گورنر صاحب بڑے باوقار لگے، وہ چالیس کے پیٹے میں ہوں گے لیکن جوانی کی سرحد کو لگتا تھا کہ ابھی عبور نہیں کیا۔ صف اول میں بیٹھے ہوئے زعماء سے رسمی تعارف کے بعد وہ کرسی صدارت پر فروکش کردئے گئے۔ مختصر سی تلاوت قرآن ہوئی جو گورنر صاحب کے لئے ذرا نئی سی بات تھی۔ پھر آئی ایم اے کے کئی عہدیداروں نے گنتی کے جملوں میں اپنی ایسوسی ایشن اور اس بین الاقوامی کنونشن کے مقاصد کا ذکر کیا اور گورنر استنبول کو دعوت دی کہ اپنے افتتاحی کلمات سے کنونشن کے باقاعدہ آغاز کا اعلان کردیں۔

تالیوں کی گونج میں، ویڈیو کیمروں کی روشنیوں میں نمائے اور فوٹو گرافروں کی فلیش گنوں کی چمکا چوند میں گورنر نے روسٹرم پر آکر کسی تمہید کے بغیر براہ راست خطاب کیا۔ وہ ترکی زبان میں بول رہے تھے اور ایک ایک جملہ ادا کرکے ترجمان کو اپنا کام کرنے کا موقع دیتے رہے۔ آئی ایم اے کے نام میں لفظ "اسلامی" کی موجودگی اور تلاوت قرآن مجید نے ان کے لئے بالکل شروع ہی میں ایک وضاحت لازم کردی تھی۔ "میں استنبول میں "موزلم" ڈاکٹروں کا خیر مقدم کرتا ہوں۔ آپ جانتے ہیں کہ ترکی بھی ایک موزلم ملک ہے لیکن یہاں مذہبی تعصب نام کو نہیں۔ مذہب ہر شخص کا ذاتی معاملہ ہے۔ ہم نے ابھی کچھ دنوں پہلے یہاں یہودیوں کی آمد پر پانچ سو سال پورے ہونے کی خوشی منائی تھی۔ آپ لوگوں کی آمد بھی ایک خوشگوار تجربہ ہے--- وغیرہ"--- یہ یہودی "بھائی" ہسپانیہ سے عربوں کی بے دخلی کے فوراً بعد انہی ظالم عیسائیوں کے زیر تسلط آجانے پر وطن سے فرار کو ترجیح دینے پر مجبور ہوئے تھے جنہوں نے عرب بربروں کی آمد سے پہلے ان کی زندگی اجیرن کردی تھی۔ پانچ صدیاں مسلمانوں کے ساتھ عزت و آبرو اور کاروبار حیات میں اپنے حصے سے بڑھ کر شراکت کے مزے لوٹنے کے بعد ان کے لئے کلیسا کی جہنمیت ناقابل برداشت تھی۔ سلطنت عثمانیہ نے ان کے آنسو پونچھے اور انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا جس کا صلہ انہوں نے ترکی کو یہ دیا ہے کہ نہایت معمولی اقلیت (نصف فی صد سے یہ اب بھی کم کم ہیں، گویا آٹے میں نمک بھی نہیں بنتے) ہونے کے باوجود آہستہ آہستہ پاؤں پسارے اور آج مغرب کی طرف سے ہلاشیری پر وہ جمہوریہ ترکی کی معیشت کی پیر تسمہ پا کی طرح سواری کررہے ہیں۔ عام ترک مسلمان اس حقیقت سے بے خبر ہیں اور بڑے اصرار سے تردید بھی کرتے ہیں لیکن اسے ان کی سادہ لوحی سمجھنے کے سوا کوئی چارہ نہیں کیونکہ سامنے سے آکر وار کرنا یہودیوں کی سرشت میں کبھی تھا نہ اب ہے۔ انہوں نے تو مدینہ منورہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں پر بھی اگر کنکر پھینکے تو دیواروں کی اوٹ میں چھپ کر یہ حرکت کی تھی۔ **لا یقا تلو نکم جمیعا الا فی قری محصنۃ او من وراء جدر** (سورۃ الحشر۔ آیت ۱۴)۔ آپ یہ سن کر حیران رہ جائیں گے کہ چند ہزار یہودیوں کے لئے صرف استنبول میں ۳۹ سینیگاگ ہیں!۔ عبادت گاہوں کا ذکر آگیا تو یہ بھی سن لیجئے کہ گرجا ۱۳۵ اور مساجد سات سو سے کچھ زیادہ ہیں جبکہ ترکی کی آبادی کا ننانوے فی صد مسلمانوں پر مشتمل ہے۔

مقامی انتظامیہ کا اگرچہ سرکاری طور پر اس کنونشن سے کوئی تعلق نہ تھا تاہم آداب میزبانی نبھانے میں انہوں نے مشرق کی روایات کو پوری طرح ملحوظ رکھا۔ ہمیں اپنے ہوٹل کے آس پاس ٹریفک

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

مضمون نگار (دائیں جانب) کنونشن کے افتتاحی اجلاس میں

بقیہ جلسوں کی روداد

رحمت اللہ بٹر صاحب نے اس بات پر زور دیا کہ نبی اکرمؐ کے ذاتی محاسن بیان کر کے ہم سمجھتے ہیں کہ شاید ہم نے سیرت بیان کرنے کا حق ادا کردیا حالانکہ ہمیں ان کا شعور بھی نہیں ہے۔ پھر بتایا کہ سیرت مطہرہ سے تو ہمیں یہ سمجھنا چاہیے کہ آپؐ نے اپنا عظیم الشان مشن کیسے مکمل کیا تھا۔ آخر میں انہوں نے لوگوں کو دعوت دی کہ اگر آج آپ کو یہ بات سمجھ آگئی ہے کہ یہ کام کرنے والا ہے اور یہی طریق کار درست ہے تو آیئے تحریک خلافت کے معاون بن جایئے۔ اس پر یہ پروگرام اختتام کو پہنچا البتہ عشاء کی نماز کے بعد سوال و جواب کی محفل بھی منعقد ہوئی۔○○

بقیہ زبان یار من ترکی...

کے ایک آدھ سارجنٹ کے سوا پولیس کی موجودگی کا کبھی احساس نہ ہوا جو کم از کم مجھے تو ضرور نظر آتی کہ موقع ملتے ہی سڑک کے کنارے یا پھر سامنے چوک میں کھڑے ہو کر تماشائے اہل کرم دیکھنے کا عادی اور پہلی ہی نظر میں اجنبی بھی سمجھا جاسکتا ہوں۔ اس کے باوجود یہ اہتمام دیکھنے میں آیا کہ جب کبھی دس بارہ ٹورسٹ لگژری بسوں میں کونشن کے شرکاء کی نقل و حرکت ہوتی تو سائرن بجاتی پولیس اسکارٹ کار آگے آگے راستہ صاف کراتی چلتی تھی۔ نگرانی کی کیفیت کا اندازہ اس سے ہوا کہ صبح جو خواتین و حضرات سیرو خریداری کے لئے نکلے تھے ان میں سے ایک خاتون کے ہاتھ سے پرس چھین کر جو دو لونڈے نو دو گیارہ ہوگئے تھے وہ ذرا سی دیر میں گرفتار کر لئے گئے اور سرا سیمہ خاتون کو اپنا مال جوں کا توں واپس مل گیا۔ یہ چوری چکاری اور چھینا جھپٹی ساری دنیا کی طرح وہاں بھی ہوتی ضرور ہے اور عام لوگوں کو یقیناً وہ تحفظ میسر نہ ہوگا جو ہمیں حاصل تھا لیکن حکومت کے ہاتھ بہرحال لمبے ہوتے ہیں، اگر چاہے تو جرائم پیشہ لوگوں کو بے بس کردینا اس کے لئے زیادہ مشکل نہیں ہوتا۔

(باقی باقی)

بقیہ قصہ مسجد سے بے دخلی کا

رپورٹنگ کو بھول جائیں بہرحال ان کے کالم سے عوام میں ڈاکٹر صاحب اور ان کے رفقاء کے بارے میں سوء ظن کا اندیشہ ہے لہٰذا ہم اپنا فرض سمجھتے ہوئے حقیقت حال کی مزید وضاحت ضروری سمجھتے ہیں، تنظیم اسلامی کے ایک رفیق اشرف بیگ صاحب نے جناب جاوید غامدی صاحب سے پیشگی اجازت طلب کر کے ان سے ملاقات کی تھی اور ان سے دریافت کیا تھا کہ جب آپ ڈاکٹر صاحب کے بارے میں اتنا سوء ظن رکھتے ہیں کہ اپنی تحریروں میں ان کے بارے میں نامناسب الفاظ تک استعمال کرنے سے گریز نہیں کرتے تو پھر ان کی امامت میں نماز کس طرح ادا کرتے ہیں۔ غامدی صاحب غالباً" اس کا برا مان گئے اور انہوں نے از خود مسجد جامع القرآن میں آنا ترک کردیا۔ اتنی سی بات تھی جسے شامی صاحب نے افسانہ کردیا ہے۔ اس کے پیچھے شامی صاحب کا کون سا جذبہ کار فرما ہے، اس کی حقیقت سے وہ خود واقف ہیں۔ بظاہر احوال جو بات نظر آئی ہے اس کا اظہار کردیا ہے اور یہ بات بھی درست نہیں کہ اس "حادثے" کے بعد شامی صاحب نے مسجد جامع القرآن کو رونق نہیں بخشی۔ اس کے بعد بھی ایک عرصہ تک وہ گاہے گاہے نماز کے لئے وہاں موجود پائے گئے تھے۔

بہرحال شامی صاحب کو ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی مخالفت سے کون روک سکتا ہے۔ ان کے لئے تو یہ مصرع ہی کافی ہے کہ ع تو مشق ناز کر خون دو عالم میری گردن پر۔ ویسے ڈاکٹر صاحب نہ تو "پاسبانی" کے دعویدار ہیں اور نہ ہی ملت کی نگہبانی پر قادر ہیں۔ انہیں تو اس ملک میں اسلامی انقلاب کے لئے منہج انقلاب نبوی پر عمل پیرا رہنا ہے خواہ "اپنے بھی خفا ان سے ہوں، بیگانے بھی ناخوش"۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اپنے کسی بھائی کے بارے میں سوء ظن سے بچائے۔ آمین۔

بقیہ مجاہدین بوسنیا میں

اتارتا ہے تو دو بوسنیائی مسلمان گاڑی سے کود کر اپنی اے کے ۴۷ رائفل کے ساتھ دونوں طرف دس گز کے فاصلے پر جگہ سنبھال لیتے ہیں۔ پچاس سالہ عزیز کا کہنا ہے کہ وہ افریقہ، کشمیر، فلپائن اور افغانستان کے جہاد میں شامل رہا ہے۔ وہ بڑے فخر سے کہتا ہے۔ "میرا وطن اسلام ہے" جبکہ گاؤں والوں کا جو اسے جانتے ہیں، کہنا ہے کہ وہ سعودی عرب کا رہنے والا ہے جہاں اس کی بیوی اور نو بچے ہیں جنہیں شاید ہی کبھی اس کی شکل دیکھنا نصیب ہوتی ہے۔

عزیز روزانہ کچھ وقت نکال کر مترجم کے ذریعے آٹھ سے تیرہ سال کی عمر کے بچوں کی ایک کلاس کو قرآن مجید اور حدیث کا سبق پڑھاتا ہے لیکن اس کا اصل مقصد انسانی خدمت یا درس و تدریس نہیں ہے۔ اس کا کہنا ہے "ہم یہاں کھانے کی چیزیں اور دوائیاں تقسیم کرنے نہیں آئے، اس کام کے لئے دوسرے کئی ادارے ہیں۔ ہم جوانوں کو لارہے ہیں" کتنے جوانوں کو؟۔" بہت سارے" گاؤں والے بتارہے تھے کہ یہ لوگ سعودی عرب، ترکی، پاکستان، سوڈان، افغانستان، ایران اور شام سے آرہے ہیں۔ عزیز نے تسلیم کیا کہ "اس کے سترہ آدمی شہید ہوئے ہیں لیکن ابھی کہیں زیادہ شہید ہونگے۔ اگر اقوام متحدہ اور امریکہ کچھ نہیں کرتے تو یہ بڑی لمبی جنگ ہوگی۔ ہم بوسنیا کو آزادی ملنے تک جنگ جاری رکھیں گے۔

بوسنیا والے آزادی تو چاہتے ہیں مگر انہیں اس کی قیمت ادا کرنے پر تشویش بھی لاحق ہے۔ بعض لوگوں کو مجاہدین کی انتہا پسندی سے بھی ڈر لگتا ہے۔ ستائیس سالہ ظفر کا کہنا تھا کہ یہ ہمیں دین کی باتیں سکھانا چاہتے ہیں جو بہت اچھا کام ہے مگر اس میں زیادہ سختی نہیں ہونی چاہیے۔ پلاٹون لیڈر، بختاس نے کہا "اس میں تو کوئی شک نہیں کہ مجاہدین اسلام کے لئے جنگ کررہے ہیں، بوسنیا کے لئے نہیں اور ان کے آنے سے ہمیں مدد ملی ہے، مگر کسے معلوم جنگ کے بعد کیا ہوگا۔ قرآن کی طرف ابھی نہ سہی، لوگ کلاشنکوف کی جانب تو مائل ہو ہی گئے ہیں"

کروشیا والے ابھی کسی رد عمل کا اظہار نہیں کررہے۔ مجاہدین بوسنیا میں داخل ہونے کے لئے کروشیا سے گزر کر آرہے ہیں۔ اسلحہ کا کاروبار کروشیا والوں کے ہاتھ میں ہے۔ زغرب مجاہدین کے بارے میں تحمل سے کام لے رہا ہے بشرطیکہ کوئی خاص مجبوری نہ ہو جیسا کہ حال ہی میں انہیں ہتھیاروں سے بھرے ہوئے ایک ایرانی ۷۴۷ ہوائی جہاز کو روکنا پڑا یا سعودی عرب کے ان چھ باشندوں کا کروٹوں کے ہاتھوں قتل جن پر مقامی مسلمانوں کے لئے لائے جانے والے ہتھیار چرانے کا الزام تھا۔ ممکن ہے آئندہ سربیا کے خلاف جنگ میں کروٹ بوسنیا کا ساتھ دیں مگر وہ ایک اسلامی ریاست کے قیام کے خطرہ کو اپنے ہمسایہ مسلمانوں کے خلاف استعمال کرنے سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔

محترم جناب ڈاکٹر صاحب

السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ نے اخبارات و رسائل میں عریانی و فحاشی کے خلاف جو مہم چلائی وہ قابل تحسین ہے ۔ میں آپ سے امید کرتا ہوں کہ آپ مختلف مکاتب فکر کے علماء کو اکٹھا کر کے ایک متفقہ منصوبہ بنا کر یہ مہم شروع کریں گے تاکہ کوئی موثر نتائج بھی نکل سکیں

مزید یہ کہ پی ٹی این پر دکھائی جانے والی نیم عریاں فیچر فلمیں اور رقص بھی تو عریانی و فحاشی کے زمرے میں آتے ہیں ہر دوسرے دن بے ہودہ اور لچر فلم پی ٹی این پر دکھائی جاتی ہے اس کے علاوہ چوبیس گھنٹے سی این این کی نشریات دکھانے کا کیا مطلب ہے ۔ ہم امریکی ریاست نہیں ہیں ہمیں کیوں امریکہ کا غلام بنایا جارہا ہے ۔ اس کے علاوہ امریکی کلچر ہمارے عوام کو تباہ کررہا ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ اس پر کیا جانے والا یہودی پراپیگنڈہ ہماری قوم کو تباہی کے دہانے کی طرف لے جا رہا ہے

خدا کے لئے پاکستان کو امریکہ کی ذیلی ریاست نہ بنایئے اور سی این این کی نشریات فوری طور پر بند کی جائیں ۔

فقط آپ کا خادم

ڈاکٹر لطف اللہ محمد پورہ اچھرہ لاہور ۱۶

آپ کی "ایک مخلصانہ درخواست' اردو روزناموں کے مالکان اور مدیروں سے" کے عنوان سے پڑھی جو روزنامہ جنگ مورخہ ۱۹٫۹٫۹۲ میں چھاپی گئی ہے ۔ آپ واقعی مرد مجاہد اور ملک و قوم کا صحیح معنوں میں درد رکھنے والے سکالر اور مدبر ہیں اور یہ مخلصانہ درخواست بے شمار لوگوں کی خواہش کے عین مطابق ہے۔ کافی عرصہ سے میں خود بھی اس سلسلہ میں سوچ رہا تھا مگر مجھے اتنے اچھے الفاظ نہیں مل رہے تھے۔ ہماری ملی' مذہبی غیرت کا تقاضا یہی ہے جو آپ نے تحریر فرمایا۔ خدا کرے وزارت مذہبی امور اور وزارت انفارمیشن اور دوسرے میڈیا بھی اس طرف توجہ فرمائیں تاکہ مزید عوامی تائید و تحسین حاصل ہو

آپ اس پہل میں مبارک باد کے مستحق ہیں۔ لوگوں کی ترجمانی کا شکریہ والسلام

عبدالرب قریشی

۱۵ر ستمبر ۱۹۹۲ء

مکرم و محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ!

آپ کی طرف سے مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام جمعہ ۱۸ر ستمبر ۹۲ء کو بعد نماز مغرب منعقد ہونے والے سیمینار میں شرکت کا دعوت نامہ موصول ہوا۔ اس سیمینار میں شرکت متفرق وجوہ کی بناء پر میرے لئے ممکن نہیں ہوگی۔ امید ہے کہ آپ عذر قبول فرمائیں گے۔ میں نے آپ کے ارسال کردہ کتابچے کا مطالعہ کیا ہے اور دریں سلسلہ چند ٹوٹی پھوٹی گذارشات بھی پیش کرنے کا آرزو مند ہوں۔ ان شاء اللہ العزیز میں اور میرے برادر مکرم مولانا مفتی محمد خان قادری اپنی مشترکہ گذارشات جلد ہی تحریراً ارسال کردیں گے ۔

یہ بات حوصلہ افزا ہے کہ آپ نے احباب کو اپنے موقف پر تنقید کا حق بھی دیا ہے اور انہیں لائق اشاعت بھی سمجھا ہے۔ شومئی قسمت سے دینی تحریکوں میں یہ تصور عملاً ناپید ہوچکا ہے۔ البتہ یہ امر مزید حوصلہ افزا ہوتا اگر آپ احباب کے اظہار خیال کو اپنی تحریر سے مشروط کرنے کی بجائے اپنے موضوع سے مشروط فرماتے۔ اللہ رب العزت آپ کی مساعی کو شرف قبول عطا فرمائے (آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم)

والسلام

مخلص محمد خلیل الرحمٰن قادری

۴۶۷ فرسٹ فلور' سرہندی روڈ

مین سمن آباد لاہور

مسجد دارالسلام میں آپ کے گذشتہ دو خطابات کے حوالے سے دو اہم نکات کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں:

آپ نے فرمایا کہ افراد کو ان کے کرتوتوں کی پوری سزا اللہ تعالیٰ دنیا ہی میں دے دیتا ہے لیکن قوموں کی بداعمالیوں کی پوری پوری سزا ان کو اس دنیا میں نہیں ملتی بلکہ ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ آخرت کے لئے اٹھا رکھتا ہے ۔ مجھے آپ کے بیان کے پہلے حصے سے اختلاف ہے ۔ بڑے بڑے پیکر' مجرم جو قتل ناحق' غارتگری' ڈاکہ زنی' عصمت دری و غیرہ کا ارتکاب کرتے ہیں ان کے لئے سزا موت کافی ہوسکتی ہے ؟ ان کو تو ان کے سنگین جرائم کی سزا آخرت میں اللہ ہی دے گا ۔ انسان کے جسم کا حساس ترین حصہ اس کے جسم کی کھال ہے لہٰذا فرمایا: کلما نضجت جلو دھم بدلنا ہم جلو دا غیر ھا لیذ و قوا العذاب' یہ تو صرف ایک عذاب ہے۔ رہے دوسرے عذاب جہنم سو وہ الگ

آپ نے اپنے دونوں خطابات میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ قرآن مجید میں دس مقامات پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ساتھ ساتھ ذکر آیا ہے گویا یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں ۔ یہ صد فی صد درست ہے' لیکن قرآن مجید میں صرف ایک مقام ہے جہاں صرف نہی عن المنکر کا بیان ہے: کانوا لا یتناھون عن منکر فعلوہ لبئس ما کانوا یفعلون' اس سے معلوم ہوا کہ نہی عن المنکر کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیا درجہ ہے ۔ اسلام کا کلمہ ہی لا الہ سے شروع ہوتا ہے یعنی تمام معبودان باطل کی نفی۔ امر واقعہ ہے کہ فریضہ نہی عن المنکر پیغام ابتلا و آزمائش ہے جیسا کہ ارشاد ہوا ولنبلونکم بشئ من الخوف الا یہ اور قل ان کان اباؤ کم و ابناء کم ....الخ اس پر بالفعل کاربند ہونا ہاتھوں میں انگارے لینے کے مترادف ہے۔ تبلیغی جماعت ہر دور میں اس لئے پھلی پھولی کہ اس نے نہی عن المنکر کا فریضہ اپنے تبلیغی پروگرام سے خارج کردیا ہے ۔

والسلام مع الاکرام

خاکسار ڈاکٹر محمد عثمان ۲ ریس کورس روڈ لاہور

☆ آپ کے پہلے نکتے کا جواب تو ہم بھی عرض کرسکتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب سے ایک آدھ جملے میں کوئی غلطی ہوئی یا پھر آپ نے ٹھیک سے سنا نہیں۔ آپ نے جو بات افراد کے لئے لکھی وہ انہوں نے قوموں کے لئے کہی تھی اور جو آپ نے قوموں کے لئے سمجھی وہ افراد کے لئے تھی۔ (مدیر)

WEEKLY "NIDA-E-KHILAFAT" LAHORE
36 -K,Model Town Lahore- 54700 Regd:No L. 9184

ہم مغرب سے مقابلہ کرتے ہیں

....اور اُن ہی کی سرزمین پر!

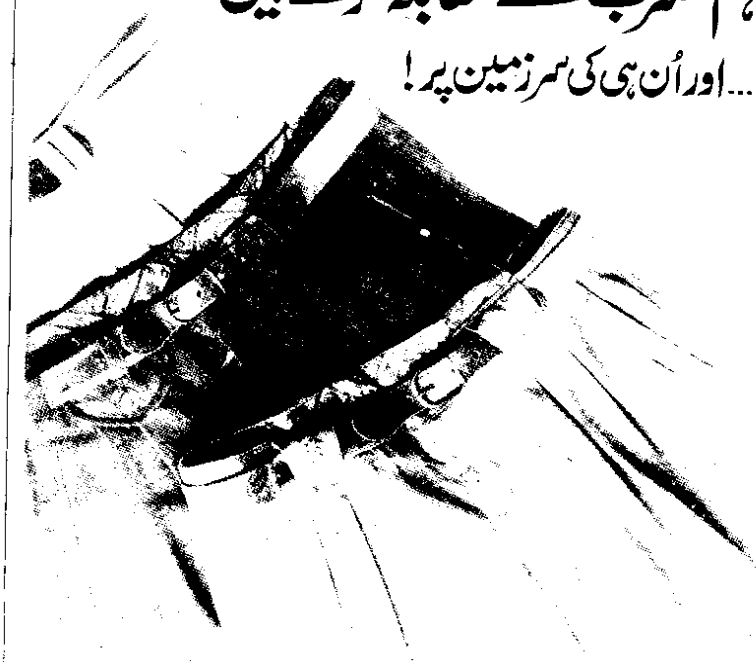

ہم اپنے گارمنٹس بیڈلنن اور ٹیکسٹائل کی دیگر مصنوعات مغربی ممالک' اسکینڈی نیوین ممالک شمالی امریکہ روس اور مشرق وسطیٰ کے ملکوں کو برآمد کرتے ہیں اور ہماری برآمدات میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے لیکن بیرونی منڈیوں میں اپنی ساکھ برقرار رکھنے کے لئے ہمیں انتھک محنت کرکے اپنی نئی مہارت اور معلومات میں مستقل اضافہ کرتے رہنا پڑتا ہے۔ ایسی محنت جو ہمیں ترک کردم نہیں لینے دیتی' ایسی محنت جو ہماری کارکردگی کے معیار کو اور بلند کرتی ہے' ایسی محنت جو کوالٹی' ڈیزائن اور پابندیٔ وقت کے سلسلے میں کرم فرماؤں کے مطالبات اطمینان بخش طریقے پر پورا کرنے کا ہمیں اہل بناتی ہے۔

Made in Pakistan
Registered Trade Mark

Jawad

جہاں شرط مہارت
وہاں جیت ہماری

معیاری گارمنٹس تیار کرنے اور برآمد کرنے والے

ایسوسی ایٹڈ انڈسٹریز (گارمنٹس) پاکستان (پرائیویٹ) لمیٹڈ

IV/C/3-A ناظم آباد کراچی - 18 - پاکستان - فون 610220-616018-628209

کیبل "JAWADSONS" ٹیلیکس 24555 JAWAD PK فیکس (92-21) 610522